چار شہ سوار
ایک مکالمہ جس نے
الحادی انقلاب برپا کر دیا

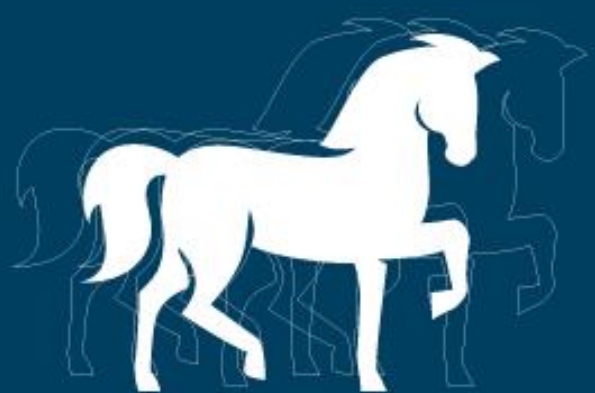

رچرڈ ڈاکنز

چار شہ سوار

اس ترجمے کی اشاعت translationsproject.org پر کی گئی جہاں یہ مفت دستیاب ہے

اس ترجمے کی اشاعت translationsproject.org پر کی گئی جہاں یہ مفت دستیاب ہے

چار شہ سوار

ایک مکالمہ جس نے
الحادی انقلاب برپا کر دیا

کرسٹوفر ہچنز

رچرڈ ڈاکنز

سیم ہیرس

ڈینیئل ڈینیٹ

مقدمہ از اسٹیفن فرائی

اس ترجمے کی اشاعت translationsproject.org پر کی گئی جہاں یہ مفت دستیاب ہے

رینڈم ہاؤس

نیویارک

اس ترجمے کی اشاعت translationsproject.org پر کی گئی جہاں یہ مفت دستیاب ہے

کاپی رائٹ © سنٹر فار انکوائری 2019

تمام حقوق محفوظ ہیں۔

پینگوئن رینڈم ہاؤس ایل ایل سی، نیویارک کے امپرنٹ اور ڈویژن، رینڈم ہاؤس کے ذریعہ ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں طبع کیا گیا۔

ٹرانسورلڈ پبلشرز کے امپرنٹ، سینٹم پریس کے ذریعے 2019 میں پہلی بار برطانیہ میں طبع ہوئی۔

پینگوئن رینڈم ہاؤس ایل ایل سی کے Random House اور House colophon رجسٹرڈ ٹریڈ مارک ہیں۔

لائبریری آف کانگریس کیٹلاگنگ ان پبلی کیشن ڈیٹا

نام: ہچنز، کرسٹوفر، مصنف | ڈاکنز، رچرڈ، مصنف | ہیرس، سیم، مصنف | ڈینیٹ، ڈی سی (ڈینیل کلیمنٹ)، مصنف | فرائی، اسٹیفن، مقدمہ نگار

عنوان: چارشہ سوار: ایک مکالمہ جس نے الحادی انقلاب برپا کر دیا / ہچنز، ڈاکنز، ہیرس، ڈینیٹ؛ مقدمہ اسٹیفن فرائی۔

تفصیل: پہلا امریکی ایڈیشن۔ | نیویارک: رینڈم ہاؤس، [2019] آئیڈینٹیفائیر: LCCN 2019004626 | آئی ایس بی این 9780525511953 (ہارڈ بیک) | آئی ایس بی این 9780525511960 (ای بک)

موضوع: ایل سی ایس ایچ: الحاد۔ | ہچنز، کرسٹوفر۔ | ڈاکنز، رچرڈ | ہیرس، سیم | ڈینیٹ، ڈی سی (ڈینیل کلیمنٹ)

درجہ بندی: LCC BL2747.3 .H58 2019 | DDC 211/.8—dc23

ایل سی ریکارڈ یہاں دستیاب ہے: https://lccn.loc.gov/2019004626

ریاستہائے متحدہ امریکہ میں ایسڈ فری کاغذ پر طبع ہوا

randomhousebooks.com

2 4 6 8 9 7 5 3 1

اس ترجمے کی اشاعت translationsproject.org پر کی گئی جہاں یہ مفت دستیاب ہے

ہیچ کے نام

اس ترجمے کی اشاعت translationsproject.org پر کی گئی جہاں یہ مفت دستیاب ہے

فہرست

مقدمہ

اسٹیفن فرائی

000

مذہب کا زعم، سائنس کی انکساری اور الحاد کی دانش ورانہ اور اخلاقی جرأت

رچرڈ ڈاکنز

سائنس پر اکثر الزام لگایا جاتا ہے کہ وہ ہر چیز کو جاننے کا متکبرانہ دعویٰ کرتی ہے، لیکن یہ الزام بہت بیجا ہے۔

000

پاس ہم سائیگی

ڈینیئل سی ڈینیٹ

جو شخص بھی ہمارے مذاکرے کی تحریری شکل میں ہمارے یکساں اعتقاد یا سیاسی وجوہ کی بنا پر مضمر تضاد کو تلاش کرنے کی کوشش کرے گا اسے خالی ہاتھ لوٹنا پڑے گا۔

000

در صحبت خوباں

سیم ہیرس

کیا اچھی وجوہ اور بری وجوہ کی بنا پر چیزوں پر یقین کرنے میں کوئی فرق ہے؟

000

چارشہ سوار: ایک مکالمہ

رچرڈ ڈاکنز، ڈینیئل سی ڈینیٹ، سیم ہیرس، کرسٹوفر ہچنز

000

اظہار تشکر

000

اس ترجمے کی اشاعت translationsproject.org پر کی گئی جہاں یہ مفت دستیاب ہے

مقدمہ

اسٹیفن فرائی

'کیا آپ خدا پر یقین رکھتے ہیں؟'

'ایک بے کار سا سوال ہے۔ کس خدا پر؟ گنیش؟ اوسائرس۔ یوو؟ یہواہ؟ یا وہ دسیوں ہزار دیوی دیوتا جن کی پوری دنیا میں پرستش کی جاتی ہے؟'

'اوہ، اچھی بات ہے، اگر آپ ہوشیار بننے کی کوشش کر رہے ہیں- کوئی بھی خدا۔'

'کیا میں "کسی بھی خدا" پر یقین رکھتا ہوں؟'

'دیکھو، تخلیق موجود ہے، ہے نا؟ لہذا اس کا کوئی خالق ہونا چاہیے۔ کوئی شے لاشے سے وجود پذیر نہیں ہوتی۔ کسی نہ کسی نے تو اس سب کی شروعات کی ہوگی۔'

'میں آپ کے 'لہذا' کے بے پروا استعمال کو نظر انداز کروں گا اور دلچسپی کی بنا پر آپ کے اس استدلال کے ساتھ چلوں گا۔ بس یہ دیکھنا ہے کہ یہ ہمیں کہاں سے لے جاتا ہے۔'

'تب ٹھیک ہے۔'

'تب ٹھیک ہے، کیا؟'

'آپ نے اس بات سے اقرار کر لیا ہے کہ کوئی خالق موجود ہے۔'

'خیر، میں نے اقرار تو نہیں کیا، لیکن میں آپ کے ساتھ یہ دیکھنے کے لیے موجود ہوں کہ یہ استدلال ہمیں لے جاتا کہاں ہے۔ کون ہے یہ خالق جسے آپ نے اس بنیاد پر پیدا کر لیا کہ اس کا "وجود" ہونا ضروری ہے؟'

'ٹھیک ہے، ہم نہیں کہہ سکتے۔'

'اور زیادہ اہم بات یہ ہے کہ اس خالق کو کس نے تخلیق کیا ہے؟" یہ حماقت ہے۔'

'لیکن آپ نے ابھی مجھے بتایا کہ لاشے سے شے وجود پذیر نہیں ہوتی اور یہ کہ کسی شے نے یہ سب کچھ شروع کیا ہوگا۔ تو میں اسی اصول کو یہ جاننے کے لیے چسپاں کیوں نہیں کر سکتا کہ آپ کا خالق کہاں سے آیا ہے؟'

'آپ کو اعتراف کرنا ہوگا کہ سائنس کے ذریعے محبت اور جمال کی وضاحت نہیں کی جا سکتی ہے۔ کچھ ہے جو—'

ہم سب نے طلبائی زندگی میں اس طرح کی گرم، طالب علمانہ اور بیکار بحثیں کی ہوں گی۔ مخمور راتوں میں ایک دوسرے سے نہایت اخلاص کے

ساتھ کائنات کے حقائق کے بارے میں الجھتے اور لڑتے ہوئے اور ایک دوسرے کو ناقابلِ ثبوت باتوں کو ثابت کرنے کا چیلنج دیتے ہوئے یہ گفتگوئیں کی ہوں گی۔ ہم سب نے اہل مذہب کے موقف سنے ہیں، سائنسی سوچ اور جستجو کے ناپختہ فہم سے نتائج اخذ کرتے ہوئے —

۔'کوانٹم فزکس خود ظاہر کرتی ہے کہ ہم کسی چیز کے بارے میں یقینی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتے۔'

پھر تحقیر آمیز انداز میں بحث کو بیچ میں چھوڑتے ہوئے:

'سائنس کے پاس تمام جواب نہیں ہیں۔ یہ تو یہ بھی نہیں بتا سکتی کہ کائنات کا بیشتر حصہ کس چیز کا بنا ہے! ویسے بھی، یہ صرف نظریات ہیں۔'

آج تک 'No *true* Scotsman' کی مغالطہ انگیزی موجود اور زندہ ہے:

'بدھ مت ہمیں بہت کچھ سکھاتا ہے۔ اس کی حقیقی نفسیاتی اور علمی قدر تسلیم شدہ ہے۔' 'آپ کی مراد ان بودھ راہبوں سے ہے جنھوں نے روہنگیا کی نسل کشی میں برمی فوج کی مدد کی۔'

'اوہ، لیکن وہ اچھے بودھ نہیں تھے۔'

❖

ایسے مناظر ہر روز دیکھنے کو ملتے ہیں، اور ایسا ہونا ضروری بھی ہے۔ حملوں اور جوابی حملوں کے دور تھکا دینے والے، جارحانہ اور اکتا دینے کی حد تک دائروی استدلال پر مبنی ہو سکتے ہیں، لیکن ہمیں یہ بات فراموش نہیں کرنی چاہیے کہ یہ ایک وسیع موضوع ہے اور اہل مذہب، مذہب پرست اور عقیدوں کے حاملین کے دعوے ہر شے کے بارے میں انتہائی سنگین ہوتے ہیں۔ ان مباحث میں حصہ لینے کی خاطر ضروری نہیں کہ آپ پی ایچ ڈی ہوں، یا آپ نے تھامس کیمپس، قرآن، مورمون کی کتاب اور سدھارتھ کی تعلیمات کا مطالعہ کر رکھا ہو (یا واقعی اصل الانواع اور پرنسیپیا میتھیمیٹکا پڑھ رکھی ہو)۔ لیکن، کیا یہ شاندار نہیں کہ آپ ایسے چار افراد کی باتیں سن سکیں جنھوں نے یہ سب کچھ پڑھا ہوا ہو۔ ایسی گفتگو دل کو گرماتی ہے، روح کو سرور بخشتی ہے اور ذہن کے دریچوں کو وا کرتی ہے۔ اور یہ کتاب بالکل یہی کرتی ہے۔ ان چاروں کی گفتگو سنیں جنھوں نے اپنی عقل، حس مزاح اور حس توازن کو کھوئے بغیر گہرے تفکر سے کام لیا اور شدید جدوجہد کی ہے (ہمارے دور کے کم ہی دانش ور ایسے ہوں گے جنھوں نے اس طرح صدمے برداشت کیے ہوں اور ان سے اس طرح لڑا گیا ہو)۔

یہ کون لوگ ہیں، دماغ کے یہ چار شہ سوار؟ وہ ہم سے اور دنیا سے کیا چاہتے ہیں؟ ہمیں کیوں توجہ دینی چاہیے؟

آیئے ہم ان سے ایک ایک کر کے ملیں۔

اس ترجمے کی اشاعت translationsproject.org پر کی گئی جہاں یہ مفت دستیاب ہے

سیم ہیرس (آرامس) ایک نیوروسائنس دان، ماہر اخلاقیات، مصنف اور برازیل کے جیوجیتسو (مجھے بتایا گیا ہے کہ یہ ایک مشہور مارشل آرٹ ہے جو زبردست گرفت اور زمینی لڑائی کے لیے جانا جاتا ہے) کے جوشیلے حامی۔ وہ مراقبے یا میڈی ٹیشن کی مختلف صورتوں میں بھی اتنے شان دار تربیت یافتہ اور ماہر ہیں کہ یہ بات میرے جیسے انگریزوں کے لیے سمجھ سے بالاتر اور خجالت کا باعث محسوس ہوتی ہے۔ میں تو جھجکے بغیر لفظ 'مائنڈفل نیس' بھی نہیں کہہ سکتا۔ ہیرس کی بااثر کتابوں 'دی اینڈ آف فیتھ' اور 'لیٹر ٹو کرسچین نیشن' کے بعد کتاب اور ایک نہایت مقبول پوڈکاسٹ سلسلہ 'ویکنگ اپ' کے نام سے منظر عام پر آیا جس میں ان کی دلچسپی کے میدان پر فوکس کیا گیا ہے کہ کس طرح اخلاقیات اور روحانیت مذہبی تعلیمات سے باہر بھی پھل پھول سکتی ہیں۔

ڈینیئل ڈینیٹ (ایتھوس) ایک فلسفی ہیں۔ شاید باحیات فلسفیوں میں سب سے زیادہ معروف۔ چند سال پہلے یہ بات کہنا گویا یہ کہنے کے مترادف ہوتا کہ سب سے معروف ماہر فلوئڈ ڈائنیمکس یا سب سے مشہور ماہر حشرات۔ تاہم، ان دنوں فلسفہ اور اس کی شاخیں پر بحث گرم ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ پہلے سے کہیں زیادہ لوگ اس کو انڈر گریجویٹ سطح پر مضمون کے طور پر منتخب کر رہے ہیں۔ یونیورسٹی آف کیلیفورنیا، برکلے کے المنائی میگزین کی سرخی میں کہا گیا ہے 'فلسفے کی بڑھتی مقبولیت: عقیدت مندوں کو یہ 'غربت کی طرف لے جانے والا انتہائی دلچسپ راستہ' لگتا ہے۔ پروفیسر ڈینٹ ذہن، ارتقائی حیاتیات، آزادی ارادہ اور ان کے علاوہ بھی بہت سارے موضوعات پر لکھتے ہیں۔ ان کی کتاب 'بریکنگ سی اسپیل: ریلیجن ایز اے نیچرل فنامنن' (*Breaking the Spell: Religion as a Natural Phenomenon*) نے علمی، دانش ورانہ، مذہبی اور سیاسی حلقوں میں کافی ہلچل پیدا کی ہے۔ کتاب 'دی فلاسفیکل لیکسیکون' (*The Philosophical Lexicon*) جو انھوں نے ایسبارن اسٹگلیچ پیٹرسن کے ساتھ مل کر تصنیف کی ہے، ان کی دائمی ناموری کی تنہا ضمانت ہے۔ آئن اسٹائن، نوحا اور کینیڈیز کی طرح، پروفیسر ڈینیٹ بھی سمندری سیاحت کا شوق رکھتے ہیں۔

رچرڈ ڈاکنز (ڈارٹینین) ارتقائی حیاتیات اور ڈارون ازم کو کئی نسلوں کو متعارف کروانے کے لیے ذمہ دار ہیں۔ ان کی کتابیں 'دی سیلفش جین' (*The Selfish Gene*) اور 'دی بلائنڈ واچ میکر' (*The Blind Watchmaker*) کبھی طباعت سے باہر نہیں رہتیں، اور اب بھی قارئین کو متحرک، آگاہ اور حیرت زدہ کر رہی ہیں۔ آکسفورڈ یونیورسٹی کی سائنس کے عوامی فہم کے اولین سمونی پروفیسر شپ کے حامل کی حیثیت سے انھوں نے ایک متشکک، 'پرجوش عقلیت پسند'، 'نازاں ملحد'، ڈھکوسلے بازی اور نیم سائنسی زبان میں لپیٹ کر جعلی حقائق کو پیش کرنے والوں کو طشت از بام کرنے والے کے طور پر دنیا بھر میں شہرت حاصل کی ہے۔ اس دوران انھوں نے ایک ماہر ایتھولوجسٹ اور ماہر حیاتیات کی حیثیت سے اپنے علمی کیریئر کو آگے بڑھایا۔ انھوں نے ہماری زبان کو لفظ 'میم' دیا، اور ایک سائنس دان کے طور پر انھوں نے نہ صرف جینوٹائپ کے بارے میں ہمارے فہم میں اضافہ کیا بلکہ اس پورے ارتقائی پیکیج کی تشریح کی جس سے حیات، فینوٹائپ، تشکیل پاتی ہے۔

ان کی رچرڈ ڈاکنز فاؤنڈیشن فار ریزن اینڈ سائنس عالمی سطح پر آزاد خیالی کا قطب تارا ہے۔

کرسٹوفر ہچنز (پورتھوس) ایک صحافی، انشا پرداز، مناظر، مقبول رائے سے اختلاف کرنے والے، باحث، سیاسی مورخ، مصنف اور مفکر تھے—ان کے بارے میں صیغہ ماضی کا استعمال کرنا میرے لیے انتہائی رنج کا باعث ہے۔ ان کی فطری طور پر رواں قدرت کلام، وسیع العلمی، غیر معمولی حافظہ، سیکھنے کی وسعت، پر کشش وحشت انگیزی، جرأت و بیباکی، اور اسلوب نے ان کو بحث و مباحثے کی زبردست مہارت عطا کی تھی کہ ان کی زندگی میں وہ بے نظیر قرار پائے۔ ہم خوش قسمت ہیں کہ 1960 اور 70 کی دہائی میں پیدا ہونے والی اس غیر معمولی شخصیت نے کم از کم یوٹیوب کا دور دیکھا۔ سائبر اسپیس کے ساتھ ساتھ ان کے متعدد مضامین، انشائیوں اور کتابوں کے صفحات پر، ہچنز کے ساتھ نیم عقلوں، بد اندیشوں، کم علموں اور بغیر تیاری کے آنے والے مناظرین کی آنکھوں کو خیرہ کر دینے والی شکست کے نمونے اب بھی موجود ہیں۔

رچرڈ ڈاکنز نے شہ سواروں کی اس ملاقات کا سیاق اور پس منظر طے کیا اور اس کتاب کے لیے اپنا تازہ تحریری تعاون بھی دیا ہے، تاہم یہ بات دیدنی ہے کہ ان چاروں نے انگریزی داں دنیا میں نئے آفاق روشن کیے، ہر جگہ بحث و مباحثہ کا آغاز کیا، ایک نئی نسل کے لیے انسانیت پسندی اور سیکولرازم کو با اختیار بنایا، اور ہمیشہ سے موجود اور اب بڑھتے ہوئے شکوک و شبہات کو آواز دی کہ مذہب کے بدترین پہلوؤں کو، عقیدے کی جعلی شفا بخشی سے لے کر قاتلانہ شہادت تک، خود مذہب سے جدا نہیں کیا جا سکتا۔ انھوں نے یہ کام انتہائی با اثر کتابوں کے ذریعے بھی انجام دیا: ہیرس کی 'دی اینڈ آف فیتھ' (*The End of Faith*)، ڈاکنز کی 'دی گاڈ ڈیلیوژن' (*The God Delusion*)، ڈینیٹ کی 'بریکنگ دی اسپیل' (*Breaking the Spell*) اور ہچنز کی 'گاڈ از ناٹ گریٹ' (*God Is Not Great*)۔ یہ کتابیں امریکہ میں بڑھتے ہوئے عیسائی ایونجلزم کی بنیاد پرستی اور اسلامی دنیا میں قاتلانہ جہاد کے ایک ہزار سالہ پس منظر میں نمودار ہوئیں۔

شہنشاہ صدیوں سے گشت کر رہا تھا، اور یہی وقت تھا کہ کوئی دنیا کو بتائے کی اور یاد دلائے کہ وہ برہنہ ہے۔ اس کا ردعمل، جیسا کہ تصور کیا جا سکتا ہے، شدید تھا۔ چاروں اس حد تک میڈیا اسٹار بن گئے کہ ان سے ہر وقت اور ہر مقام پر تبصرے اور بحث کرنے کو کہا گیا۔ لیکن اس کے بعد ایک جوابی اصلاح کا آغاز ہوا۔ ہر طرح کے اہل مذہب نے، جن میں سے اکثریت نے اپنے صحیفے نہیں پڑھ رکھے تھے[1]، ان نئی آوازوں کے خلاف

[1] اس کا موازنہ ان چار شہ سواروں سے کیجیے جن کی مذہبی و صحیفوں کی معلومات کی حیران کن وسعت کا اندازہ اس کتاب کے آئندہ صفحات سے لگایا جا سکتا ہے۔

اس ترجمے کی اشاعت translationsproject.org پر کی گئی جہاں یہ مفت دستیاب ہے

معرکہ برپا کر دیا:

'نو الحاد بالکل نئے مذہب کی طرح ہے۔'

'یہ نو ملحد خود بھی بنیاد پرست ہیں۔'

'یہ لوگ ان افراد کے احساسات کو مجروح کرنے کی جسارت کس طرح کر سکتے ہیں جن کے نزدیک مذہب پناہ، درماں، اور سہارا ہے؟'

'لینن اور اسٹالن نے روس کے متحدہ سوویت سنگھ میں الحاد کو مسلط کیا تھا، دیکھو اس کا کیا حال ہوا۔'

'یہ لوگ ہمارے بدترین افراد کے رویے سے ہماری شناخت کرتے ہیں۔'

ان الزامات کو—جو محض ان کے مقدس احساس کو مجروح کیے جانے کے مزعومات ہیں، استدلال نہیں—اس طرح پیش کیا گیا گویا نو الحاد بس انھی جذبات کے انکار کی نمائندگی کرتا ہے۔ ہزاروں سال کی بالادستی، ظلم اور زباں بندی کے بعد، مذہب کے ٹھیکے داروں نے خود کو معجزاتی طور پر ظالمانہ زبانی زیادتی، نخوت آمیز دھونس اور دانش ورانہ ظلم کا شکار ثابت کر دیا۔ یہی وہ پس منظر ہے جس میں یہ گفتگو کی گئی ہے۔

واقعتاً ڈاکنز، ڈینیٹ، ہیرس اور ہچنز نے جو پہلا موضوع پیش کیا ہے وہ یہی 'احساسات کو مجروح' کیے جانے کا مسئلہ ہے۔ جب بھی مذہب کے دعووں اور طریقوں کی استدلال، تاریخ اور علم کی روشنی میں جانچ کی جاتی ہے تو مذہب کے ٹھیکیداروں کے جذبات کیسے مجروح ہوتے ہیں۔ اس وقت اس موضوع پر 'چار شہ سوار' پڑھتے ہوئے احساس ہوتا ہے کہ کسی بھی نظریے یا عقیدے کے بارے میں تمام باتیں مذہبی بحث کا شاخسانہ ہیں۔ آزادی رائے، اہانت مذہب، بے حرمتی، اور کفر کے سوالات ہماری ثقافتی جنگوں، مذمت، غیرت، آزادرائے عوام میں پیش کرنے سے روکنا، اور سال صفر کی برائیاں جو مکھیوں کے جھنڈ کی طرح سوشل میڈیا کے پٹارے سے نکل کر عام ہو رہی ہیں اور ڈنک مار رہی ہیں۔

جی ہاں، چار شہ سوار تند خو اور ان شر انگیز مکھیوں کو مارنے میں بسا اوقات بے رحم ہو سکتے ہیں، تاہم وہ ہمیشہ قواعد کا لحاظ رکھتے ہیں۔ تمام تر دانشورانہ سرگرمی کے قواعد—چاہے وہ سائنسی ہوں یا غیر سائنسی—ایک ہی زریں اصول پر منتج ہوتے ہیں: وہ یہ کہ منطق اور قابل توثیق حقائق کی کسوٹی پر دعووں کی جانچ۔ کسی دلیل کے مستحکم ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ عقلی اور تجربی اعتبار سے قابل فہم ہو۔

اس سے نو ملحد سرد مہر، جذبات سے عاری مسٹر سپاک نہیں بن جاتے۔ دلیل اور تجربے تسلیم کرتے ہیں کہ بہت سے نیک مذہبی افراد اپنے عقیدے میں مخلص ہیں۔ اگرچہ مذہبی عقائد کی سچائی کے بارے میں قیاس آرائی قابل احترام اور جائز ہے، تاہم اس کا مقصد کسی فرد کا مذاق اڑانا یا اس کی عقیدت مندی کو ٹھیس پہنچانا نہیں ہے۔ فلوبرٹ کی کتاب کوئیر سمپل (*Coeur simple*) [دلِ سادہ] میں بوڑھی نوکرانی فیلیسٹی کا اپنے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر نغمہ ربانی گانا اور منبر کے اوپر کھڑکی کے رنگین شیشے کو عقیدت سے تکنا بجائے خود قابل مذمت نہیں ہے، بلکہ قابل مذمت ہے وہ عقیدہ جو ویٹیکن کارڈینل کے ذریعہ اپنے محل سے جاری کرتا ہے، وہ عقیدہ جو فیلیسٹی کو اس کے گھٹنوں کے بل لے آتا ہے، وہ نحل جس میں

شراب کا ذخیرہ ہے، اور وہ حماقت آمیز فرامین اور مذہبی دھمکیاں جن کے ذریعے عوام کو ہانکا جاتا ہے... ویسے یہ کھیل جائز اور ضروری ہے۔ ان دعووں کی حقیقت کی جانچ پڑتال، جو عوامی دائرے میں آکر تعلیم، قانون سازی اور پالیسی تک کو متاثر کر دیں، مجروح احساسات کا خیال رکھنے کی پابند نہیں۔ اگر خدا کے وجود کی سچائی پہلے درجے کا مقدم معاملہ ہے تو اس پر فوراً بحث و مباحثہ ترک کر کے دوسرے درجے کے مقدم سوالات اٹھائے جائیں:

> شاید خدا اور آخرت پر عقیدے کو، خواہ وہ بے ثبوت دعووں کی بنیاد پر قائم ہو، بہر حال خیر کی قوت قرار دیا جا سکتا ہے؟
> شاید یہ ایسی اخلاقی رہنمائی اور ضابطے فراہم کرتا ہے جن کے بغیر دنیا ظلم و فساد سے بھر جائے گی؟ ہم جس چیز پر قائم ہیں وہ بڑی حد تک ایک استعارہ ہے۔ کیوں نہ ہم اس اضافیت پسند ثقافت میں جو ساخت، نظام مراتب اور معنویت سے محروم ہو چکا ہے ایک ڈھانچے کے طور پر مذہبی بیانیے کو، قطع نظر اس کی سچائی کے، تسلیم کر لیں؟
> اور روحانیت، اس روحانی تجربے کے بارے میں کیا خیال ہے جسے ہم سب محسوس کرتے ہیں؟ کیا آپ واقعی اس بات سے انکار کر سکتے ہیں کہ کوئی ایسا منطقہ موجود ہے جس میں منطق، اعداد اور خورد بینیں نفوذ نہیں کر سکتیں؟

یہ چاروں بے خوف شہ سوار انھیں دوسرے درجے کے موضوعات کی گہرائی میں اترتے ہیں۔ ہر چند کہ وہ اسٹیفن جے گولڈ کے نوما کی غیر اطمینان بخش تجویز (نان اوورلیپنگ میجسٹریا [یہ تعبیر کہ سائنس اور مذہب کے اپنے اپنے دائرہ اختیار ہیں اور وہ ایک دوسرے کی جانچ نہیں کر سکتیں]، یہ تصور کہ 'سائنس کا جو ہے اسے دے دو ہے اور باقی سب مذہب کو دے دو') کی تائید نہیں کرتے، تاہم چاروں میں سے ہر ایک فرد قائل ہے کہ دنیا، کائنات اور ہماری انسانی فہم روحانی تجربے کا اظہار کرتی ہے اور اس سے آشنا ہے۔ یہ نہ تو روحانیت (numen) کو کسی قسم رعایت دینا ہے (اگرچہ بعض لغات یہی معنی فراہم کرتی ہیں) اور نہ نومن سے کم پُرکشش مظاہر جیسے بے رحمی، سرطان اور گوشت خور بیکٹیریا کے علاوہ کسی خدا کی موجودگی کی تائید کرنا ہے۔

اس نشست کی عظمت یہ ہے کہ اس حلقے کے ہر رکن نے مذہب اور الحاد، سائنس اور احساس پر اپنا جو بھی حصہ ڈالا، وہ ہمارے موجودہ آشوب زدہ عہد کے موضوعات پر یکساں اہمیت کے ساتھ چسپاں ہوتا ہے۔ ڈاکنز، ہیرس، ڈینیٹ اور ہچنز کے ان مکالموں کا مطالعہ ہمیں یاد دلاتا ہے کہ آزادانہ تحقیق، آزادیٔ فکر اور نظریات کے بے روک ٹوک تبادلے سے حقیقی اور ٹھوس نتائج حاصل ہوتے ہیں۔ کس نے سوچا تھا کہ ان واضح اور یقینی طور پر ناگزیر روشن اصولوں کا مستقبل ہماری زندگی ہی میں خطرے سے دوچار ہو جائے گا—خطرہ نہ صرف سیاسی طرفین کی عدم

اس ترجمے کی اشاعت translationsproject.org پر کی گئی جہاں یہ مفت دستیاب ہے

رواداری سے، بلکہ ہمارے اپنے خوف، سستی اور بیجا ادب آداب کے لحاظ سے بھی؟ اسی حقیقی خطرے کے باعث اس کتاب کی اشاعت بروقت اور خوش آئند ہے۔ میری نئی نسلیں ان چاروں شہسواروں کی شکوہ و عظمت نیز آزادیٔ فکر کے بیباک تبادلے کی جرأت و قدر سے تحریک پاتی رہیں۔

فرد سب کے لیے، اور سب فرد کے لیے!

مذہب کا زعم، سائنس کی انکساری اور الحاد کی دانش ورانہ اور اخلاقی جرأت

رچرڈ ڈاکنز

2004 اور 2007 کے درمیان پانچ سب سے زیادہ فروخت ہونے والی کتابیں نام نہاد الحادِ نو تحریک کی الم بردار کی حیثیت سے مشہور ہوئیں، یا یوں کہیے کہ بعض حلقوں میں بدنام ہوئیں۔ ان کے نام اس طرح ہیں: سیم ہیرس کی کتابیں The End of Faith (2004) اور *Letter to a Christian Nation* (2006)، ڈینیئل ڈینیٹ کی کتاب *Breaking the Spell* (2006)، میری کتاب *The God Delusion* (2006) اور کرسٹوفر ہچنز کی کتاب *God Is Not Great* (2007)۔ کچھ وقت تک سیم، ڈین اور مجھے "تین بندوقچی" (the Three Musketeers) کہا گیا۔ پھر جب کرسٹوفر کی آمد سے ہمیں کمک ملی، تو اس دستے کو "چار شہ سوار" (the Four Horsemen) پکارا گیا۔ ان صحافیانہ القابات کے لیے ہم ذمہ دار نہ تھے، تاہم ہم نے ان سے انکار بھی نہیں کیا۔ ہماری کوئی باہمی ساز باز نہیں تھی، نہ ہی ہم نے [علمی] ہتھیاروں کی کوئی منظم ذخیرہ اندوزی کی تھی، یہ الگ بات ہے کہ ہمیں ہمارا نام یوں ایک ساتھ لیے جانے پر کوئی اعتراض بھی نہیں تھا، بلکہ ایان ہرسی علی، وکٹر اسٹینگر، لارنس کراس، جیری کوائن، مائیکل شرمر، اے سی گریلنگ اور ڈین بارکر وغیرہم جیسے قابل قدر مصنفین کے ساتھ ہمارا نام جوڑے جانے پر ہمیں خوشی تھی۔

ستمبر 2007 میں کرسٹوفر ہچنز کے وطن واشنگٹن ڈی سی میں اتھیسٹ الائنس انٹرنیشنل کی سالانہ کانفرنس منعقد ہوئی۔ رچرڈ ڈاکنز فاؤنڈیشن فار ریزن اینڈ سائنس کی جانب سے رابن الزبتھ نے ایک ہی مقام پر چاروں شہ سواروں کی موجودگی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک مذاکرے کا اہتمام کر دیا جسے ہمارے اپنے کیمرا پرسنز نے ریکارڈ کیا۔ منصوبہ یہ تھا کہ ایان ہرسی علی واحد خاتون شہ سوار کے طور پر اس میں شرکت کریں گی، یوں یہ

گروہ "تین بندوقچی" سے "چار شہ سوار" اور بعد ازاں "حکمت کے پانچ اساطین" بننے کی طرف پیش رفت کرتا۔ بدقسمتی سے آخری لمحے میں ایان کو ہنگامی طور پر نیدرلینڈ جانا پڑا جہاں وہ رکن پارلیمان ہیں۔ ہم نے ان کی کمی بہت محسوس کی۔ جب وہ 2012 میں باقی بچے تین شہ سواروں کے ساتھ میلبورن میں عالمی اتھیسٹ کنونشن میں اس تقریب کے دوبارہ اسٹیج کیے جانے کے موقع پر شامل ہوئیں تو ہمیں بہت خوشی ہوئی۔[1]

اب 2007 کی اصل میٹنگ کی طرف آتے ہیں۔ 30 ستمبر کی شام ہم چاروں کرسٹوفر اور کیرول کے کتابوں سے بھرے ہوئے کشادہ فلیٹ میں ایک میز کے گرد بیٹھ گئے۔ کاک ٹیل کا لطف لیتے ہوئے ہم نے دو گھنٹے تک تبادلہ خیال کیا، جس کے بعد ایک یادگار ڈنر ہوا۔ اس مذاکرے کی فلم رچرڈ ڈاکنز فاؤنڈیشن کے یوٹیوب چینل پر دستیاب ہے۔[2] فاؤنڈیشن نے اس ریکارڈنگ کو دو ڈی وی ڈیز میں بھی جاری کیا ہے۔ اس کتاب کا متن اسی مذاکرے کی تحریری شکل ہے۔

اس تقریب نے میرے اس ایقان کو مستحکم کیا ہے کہ مذاکرے میں ہمیشہ یہ لازمی نہیں ہوتا کہ کوئی فرد صدر نشین ہو یا دلچسپی قائم رکھنے یا بحث کو نتیجہ خیز بنانے کے لیے کوئی بنیادی عدم اتفاق یا نکتہ نزاع ہو۔ ہمارے پاس پہلے سے تیارہ کردہ کوئی ایجنڈا بھی نہیں تھا۔ گفتگو نے اپنا رخ خود متعین کیا۔ تاہم ایسا نہیں ہوا کہ کوئی ایک فرد گفتگو پر غالب آ گیا ہو، ہم بڑی آسانی سے موضوع بدلتے رہے اور بہت سارے موضوعات پر گفتگو رہی۔ دو گھنٹے کس طرح گزرے پتہ ہی نہیں چلا، اور ہماری اپنی دلچسپی کم نہیں ہوئی۔ کیا کسی تیسرے فریق کے لیے بغیر کسی نظامت کی گفتگو دلچسپ دلچسپی کا باعث ہو سکتی ہے؟ اس بات کا فیصلہ اس کتاب کے قارئین کو کرنا ہے۔

اگر آج، یا ایک عشرے بعد اور اس کے بھی بعد ہم یہ مذاکرہ منعقد کرتے تو وہ کیسا ہوتا؟ اس ظاہری فرق سے صرفِ نظر کرنا ممکن نہیں کہ اگر اس وقت اس یادگار شام کے ہمارے میزبان کرسٹوفر ہچنز نہ ہوتے تو ہم ان سب باتوں کی کمی کیسے محسوس کرتے—یقیناً محسوس کرتے—جو اس توانا، خوب صورت لہجے میں، اس عالمانہ بصیرت میں، ادبیات اور تاریخ سے فاضلانہ اقوال پیش کیے جانے میں، کھردری لیکن شریفانہ بذلہ سنجی میں، آواز کے زیر و بم کے ساتھ خطیبانہ مہارت اور ڈرامائی سکوت میں جو نئے جملوں سے پہلے آنے کی بجائے پہلے لفظ کے بعد آتا تھا، پائی جاتی تھی۔ میں یہ تو نہیں کہوں گا کہ وہ ہماری چہار گوشہ گفتگو پر غالب تھے لیکن اتنا ضرور ہے کہ انھوں نے اس گفتگو کے بہاؤ پر ایک فیصلہ کن اثر ڈالا تھا۔

پرانے موضوعات کا اعادہ کرنے کی بجائے میں نے سوچا ہے کہ اس مضمون میں ایسے نئے نکات پیش کروں کہ اگر اسی طرح کا مذاکرہ آج دوبارہ منعقد

[1] https://www.youtube.com/watch?v=sOMjEJ3JO5Q.
[2] https://www.youtube.com/watch?v=n7IHU28aR2E.

اس ترجمے کی اشاعت translationsproject.org پر کی گئی جہاں یہ مفت دستیاب ہے

کیا جائے، تو میں اس میں پیش کرتا۔

❖

2007 میں ہم نے جن متعدد موضوعات پر تبادلہ خیال کیا تھا ان میں سے ایک یہ تھا کہ مذہب اور سائنس انکساری و زعم کے معاملے میں کس طرح کا رویہ رکھتے ہیں۔ مذہب کی بات کریں تو اس پر واضح طور پر حد سے زیادہ اعتماد اور سنسنی خیز طور پر انکساری کے فقدان کا الزام ہے۔ وسعت پذیر کائنات، طبیعی قوانین، طبیعی مستقلات کی نفاست، کیمیا کے قوانین، ارتقا کی چکی کی سست رفتاری، یہ سب کچھ اس طور پر حرکت پذیر ہوئے کہ وقت کی 24 بلین سالہ میعاد میں ہم وجود میں آسکے۔ یہاں تک کہ بہ تکرار یہ اصرار کہ ہم قابل رحم گناہ گار ہیں، جو گناہ کے ساتھ پیدا ہوئے، ایک قسم کا معکوس زعم ہے، یعنی یہ خود پسندانہ تصور کہ ہمارے اخلاقی رویے کو کسی قسم کی کوئی اہمیت حاصل ہے، گویا خالق کائنات کو اس سے کوئی بہتر اور کام نہ سوجھا کہ ہماری خطاؤں اور نیکیوں کا شمار کرے۔ پوری کائنات کو مجھ میں دلچسپی ہے۔ کیا یہ زعم نہیں ہے جو ہر فہم سے بالا ہے؟

کارل سیگاں نے اپنی کتاب *Pale Blue Dot*[1] میں صفائی پیش کی ہے کہ ہمارے دور دراز کے اجداد ایسی کوئی نرگسیت سے پہلو تہی نہ کر سکے۔ اپنے سر پر کوئی چھت اور مصنوعی روشنی نہ ہونے کی وجہ سے وہ راتوں کو اپنے سروں سے اوپر ستاروں کو گردش کرتے ہوئے دیکھتے۔ اس گردش کے مرکز میں کیا تھا؟ ظاہر ہے مشاہدہ کرنے والے کا محل وقوع۔ کوئی تعجب کی بات نہیں کہ اس نے سوچا کہ یہ کائنات بس "میرے بارے میں" ہے۔ بارے (*about*) کے دوہرے مفہوم میں، کائنات "میرے ہی گرد" گھوم رہی ہے۔ کائنات کا مرکز "میں" قرار پایا۔ لیکن یہ زعم اگر کچھ تھا تو کوپرنیکس اور گلیلیو کے آنے کے بعد ہوا ہو گیا۔

اب مذہبی لوگوں کے ضرورت سے زیادہ اعتماد پر آتے ہیں، بہت کم لوگ زعم میں سترہویں صدی کے اسقف اعظم جیمز اشر کے پائے کے ہوں گے جو بائبل کی تاریخ کے بارے میں اتنا پر یقین تھا کہ اس نے کائنات کی پیدائش کی عین تاریخ بھی بتادی: 22 اکتوبر، 4004 قبل مسیح۔ 21 یا 23 اکتوبر نہیں، بلکہ عین 22 اکتوبر کی شام۔ ستمبر یا نومبر بھی نہیں، چرچ کی مکمل اتھارٹی کے ساتھ اس نے اکتوبر کو کائنات کی آفرینش کا مہینہ قرار دیا۔ 4003 قبل مسیح یا 4005 قبل مسیح نہیں، نہ ہی "مسیح سے چوتھے یا پانچویں الفیے میں کسی وقت"۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا، دیگر افراد اس سلسلے میں اتنے درست تو نہیں تھے، تاہم مذہبی حضرات کی خاصیت ہی یہی ہے کہ وہ اپنے من سے باتیں بنالیتے ہیں۔ انتہائی لاپروائی سے وہ باتیں

[1] Carl Sagan, *Pale Blue Dot: A Vision of the Human Future in Space* (New York: Random House, 1994).

گڑھتے ہیں پھر مزعومہ لامحدود اتھارٹی کے ساتھ بعض اوقات، کم از کم اگلے وقتوں میں، اور اسلامی مذہبی ممالک میں آج بھی، دوسروں پر تشدد اور موت کے جبر کے ساتھ لاگو کر دیتے ہیں۔

یہی فرضی تصریح روزمرہ کے ان تحکمانہ ضوابط میں بھی نظر آتی ہے جو مذہبی حضرات اپنے پیروکاروں پر تھوپتے ہیں۔ جب پیروکاروں پر تسلط کی بوالعجبیوں کا ذکر ہو تو اسلام اس میں دوسروں سے بہت آگے نظر آتا ہے، اس کا اپنا ہی ایک مقام ہے۔ یہاں آیت اللہ عظمی سید محمد رضا موسوی گلپائگانی کی کتاب *Concise Commandments of Islam* سے چند منتخب مثالیں پیش کرتا ہوں جو ایران کے موقر "عالم" ہیں۔ بچوں کی رضاعت سے متعلق کم از کم تیئیس مفصل احکام ہیں، جنھیں مذکورہ کتاب کے ترجمے میں ایشوز کہا گیا ہے۔ ان میں سے پہلا حکم ایشو نمبر 547 پیش ہے۔ دیگر بھی ایسے ہی صریح، ایسے ہی تحکمانہ اور اتنے ہی خالی از منطق ہیں جتنا کہ یہ ہے:

> ایشو نمبر 560 میں بیان کردہ شرائط کے بموجب اگر کوئی عورت کسی بچے کو دودھ پلاتی ہے تو اس بچے کا باپ مذکورہ عورت کی بیٹیوں سے نکاح نہیں کر سکتا، نہ ہی وہ اس شوہر کی بیٹیوں سے نکاح کر سکتا ہے جن سے دودھ کا رشتہ ہے، حتی کہ اس کی رضاعی بیٹیوں سے بھی نہیں، لیکن اس کے لیے مذکورہ عورت کی رضاعی بیٹیوں سے شادی کرنا جائز ہے۔۔۔[اسی طرح آگے بھی ہے]

رضاعت کے شعبے سے ایشو 553 کی ایک اور مثال دیکھیے:

> اگر کسی شخص کے باپ کی بیوی کسی لڑکی کو اس کے باپ کا دودھ پلا دے، تو وہ شخص اس لڑکی سے نکاح نہیں کر سکتا۔

"باپ کا دودھ؟" کیا واقعی؟ میرا خیال ہے کہ جس ثقافت میں کوئی عورت اپنے شوہر کی ملکیت ہو وہاں "باپ کے دودھ" کے تصور کا پایا جانا اتنا تعجب خیز امر نہیں جتنا کہ ہمارے لیے ہے۔

ایشو 555 بھی اسی طرح الجھن پیدا کرتا ہے، جو "بھائی کے دودھ" کے بارے میں ہے:

> کوئی مرد کسی ایسی لڑکی سے نکاح نہیں کر سکتا جسے اس کی بہن نے یا بھائی کی بیوی نے اس کے "بھائی کے دودھ" میں شریک کیا ہو۔

میں نہیں جانتا کہ رضاعت کے موضوع سے عجیب و غریب جنون کی اصل کیا ہے، لیکن اس کی بنیاد مذہبی صحیفے میں ضرور پائی جاتی ہے:

> جب قرآن پہلے پہل نازل ہوا تھا اس وقت بچے کو دودھ پلانے کی تعداد جس سے وہ رشتہ دار (محرم) بن جائے دس تھی۔ پھر یہ

اس ترجمے کی اشاعت translationsproject.org پر کی گئی جہاں یہ مفت دستیاب ہے

حکم منسوخ ہو گیا اور اس کی جگہ پانچ بار دودھ پلانے نے لے لی، جو معروف ہے۔[1]

یہ ایک "عالم" کے اس جواب کا حصہ ہے جو اس نے سوشل میڈیا پر ایک (قابل معافی) الجھن زدہ خاتون کے سوال پر دیا تھا:

میں نے اپنے دیور کے بیٹے کو ایک مہینے تک دودھ پلایا، اور میرے بیٹے کو میری دیورانی نے دودھ پلایا۔ میری ایک بیٹی اور ایک بیٹا ہیں جو اس بچے سے بڑے ہیں جسے میری دیورانی نے دودھ پلایا، اور اس کے بھی دو بچے اس بچے سے پہلے کے ہیں جسے میں نے دودھ پلایا۔

مجھے بتائیں کہ کس طرح کی رضاعت میں کوئی بچہ محرم بنتا ہے اور دوسرے بچوں پر کیا احکام عائد ہوں گے؟ بہت شکریہ۔

"پانچ" بار دودھ پلانے کی عین تصریح اس قسم کے مذہبی تسلط کی بوالعجبی میں عام دیکھنے کو ملتی ہے۔ یہ معاملہ 2007 کے ڈاکٹر عزت عطیہ کے فتوی میں سامنے آیا جو قاہرہ کی الازہر یونیورسٹی میں لکچرر ہیں۔ وہ مرد و خواتین رفقائے کار کے تنہائی میں خلط ملط ہونے کی تحریم کے سلسلے میں تشویش میں تھے، انھوں نے اس کا ایک انوکھا حل نکالا کہ خاتون رفیق کار اپنے ساتھی کو "براہ راست اپنی چھاتی سے" پانچ مرتبہ دودھ پلا دے۔ اس طرح وہ آپس میں "محرم" بن جائیں گے اور اس طرح کام کی جگہ پر وہ تنہائی میں رہ سکتے ہیں۔ ملاحظہ کیجیے چار مرتبہ دودھ پلانا کافی نہیں ہو گا۔ ڈاکٹر عطیہ اس وقت بظاہر کوئی مذاق نہیں کر رہے تھے، اگرچہ اس پر ہنگامہ ہونے کے بعد انھوں نے اپنے فتوے سے رجوع کر لیا۔ لوگ کیسے اس طرح دیوانگی کی حد تک صریح اور سراسر بے بنیاد ضابطوں میں بندھے زندگی بسر کر سکتے ہیں؟

غنیمت ہے کہ ہم سائنس کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ سائنس پر اکثر الزام عائد کیا جاتا ہے کہ یہ دعوی کرتی ہے کہ اسے سب کچھ معلوم ہے، یہ ایک ایسا حملہ ہے جس کا نشانہ پوری طرح خطا ہے۔ سائنس دان جواب نہ جاننے کو پسند کرتے ہیں، کیوں کہ اس سے ہمیں کچھ کرنے کو ملتا ہے، کچھ غور کرنے کو ملتا ہے۔ ہمارے لیے لاعلمی اس بات کا پر مسرت اعلان ہے کہ کیا کیے جانے کی ضرورت ہے۔

زندگی کیسے شروع ہوئی؟ مجھے نہیں معلوم کسی کو بھی نہیں معلوم۔ کاش ہمیں معلوم ہوتا۔ یہی جاننے کے لیے ہم بے تابی سے مفروضوں کا تبادلہ کرتے ہیں، ان مشوروں کے ساتھ کہ اس کی تحقیق کس طرح کی جائے۔ ایک چوتھائی کروڑ سال پہلے پرمین عہد (Permian period) میں بڑے پیمانے پر زندگی معدوم کیوں ہوئی تھی؟ ہمیں نہیں معلوم، لیکن ہمارے پاس اس پر غور کرنے کے لیے دلچسپ مفروضے تو ہیں۔ انسانوں اور چمپینزیوں کے مشترک اجداد کیسے دکھائی دیتے تھے؟ ہم نہیں جانتے، لیکن ہم اس سلسلے میں تھوڑا بہت تو جانتے ہیں۔ ہم اس براعظم کے بارے میں جانتے ہیں جہاں پر وہ رہتے تھے (ڈارون کے اندازے سے، افریقہ)، اور سالماتی تحلیل سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ تقریباً کب

[1] https://islamqa.info/en/27280.

رہتے تھے (لگ بھگ 60 سے 80 لاکھ سال پہلے)۔ سیاہ مادہ (dark matter) کیا ہے؟ ہم اس سے بے خبر ہیں، اور طبیعیات برادری کا بڑا حصہ یہ جاننا چاہتا ہے۔

لاعلمی کسی سائنس دان کے لیے وہ کھجلی ہے جس سے آرام پانے کے لیے کھجانا پڑتا ہے۔ اگر آپ مذہبیات کے قائل ہوں تو لاعلمی ایسی شے ہے جس سے صرف نظر کر کے آپ بے شرمی سے کوئی بات گڑھ لیں۔ اگر آپ پوپ کی طرح کوئی اتھارٹی رکھتے ہوں، تو ذاتی طور پر غور کر کے کوئی بات بنالیں، جب آپ کے ذہن میں کوئی جواب آجائے تو اسے آپ "القا" (revelation) قرار دے لیں۔ یا پھر کانسے کے عہد کے کسی متن کی "تفہیم" کر لیں جس کے لکھنے والا آپ سے بھی زیادہ لاعلم رہا ہو۔

پوپ اپنی ذاتی رائے کو "ڈوگما" قرار دے سکتا ہے، لیکن صرف اسی صورت میں جب وہ آراء تاریخ میں کیتھولک علما کی قابل ذکر تعداد میں حمایت کی حامل ہوں، یہ بات سائنٹفک دماغ کے لیے قدرے پراسرار ہے کہ کسی اعتقاد کی طویل روایت کو اس اعتقاد کے ثبوت کے طور پر کیسے پیش کیا جاتا ہے۔ 1950 میں پوپ پیئس دوازدہم نے (جسے شومی حالات کی وجہ سے "ہٹلر کے پوپ" کے طور پر جانا جاتا ہے) یہ ڈوگما دیا کہ عیسیٰ کی ماں مریم کے جسم کو، نہ کہ محض روح کو، ان کی موت کے بعد آسمان پر اٹھالیا گیا۔ "جسم" اٹھائے جانے سے مراد یہ ہے کہ اگر آپ ان کی قبر میں جھانکیں تو آپ کو وہ خالی ملے گی۔ پوپ کے استدلال کا حقیقت سے بالکل کوئی واسطہ نہیں ہے۔ اس سلسلے میں وہ کتاب کورنتھیوں اول سے 15:54 کا حوالہ پیش کرتے ہیں: "پھر وہ قول پورا ہو گا جو لکھا ہے کہ موت فتح کا لقمہ ہو گئی۔" اس آیت میں مریم کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ یہ فرض کرنے کی معمولی سی وجہ بھی موجود نہیں ہے کہ انجیل کے اس مصنف کے ذہن میں مریم کا خیال ہو گا۔ یہاں بھی ہمیں اہل مذہب کی کسی متن کی تفہیم کے سلسلے میں اس انداز کی مخصوص شعبدہ بازی نظر آتی ہے جس کے ذریعے وہ کسی بھی شے کا دوسری شے کے ساتھ مبہم، علامتی، الل ٹپ قسم کا تعلق قائم کر دیتے ہیں۔ دیگر بہت سارے مذہبی اعتقادات کی طرح یہاں بھی پیئس دوازدہم کا ڈوگما کم از کم جزوی طور پر اس احساس پر مبنی ہے کہ مذکورہ آیت کا تعلق مریم جیسی کسی انتہائی مقدس ہستی کے لیے مناسب ہو سکتا ہے۔ لیکن پوپ کا اصل محرک، یونیورسٹی آف الی نوئس کے جان ہنری کارڈینل انسٹی ٹیوٹ آف کیتھولک تھاوٹ کے ڈائرکٹر ڈاکٹر کینیتھ ہوویل کے مطابق، مناسب ہونے کا مختلف مفہوم ہے۔ 1950 کی دنیا دوسری عالمی جنگ کی تباہیوں سے ابھر رہی تھی اور اسے کسی شفابخش پیغام کے مرہم کی ضرورت تھی۔ ہوویل پوپ کے الفاظ کوٹ کرنے کے بعد اپنی تشریح اس طرح دیتے ہیں:

پیئس دوازدہم امید ظاہر کرتے ہیں کہ مریم کے اٹھائے جانے پر غور کرنے سے ایمان والوں کو انسانی خاندان ہونے کی حیثیت

اس ترجمے کی اشاعت translationsproject.org پر کی گئی جہاں یہ مفت دستیاب ہے

سے ہماری عمومی تکریم کا شعور حاصل ہو گا۔۔۔ انسانوں کو اپنی نگاہیں اپنے فوق الفطری خاتمے پر مرکوز کرنے اور اپنے ساتھی انسانوں کی نجات کی تمنا کرنے کے لیے کون سے چیز تحریک دے گی؟ مریم کا اٹھایا جانا انسانیت کی اعلیٰ تر تکریم کی تذکیر اور تحریک ہے کیوں کہ رفع مریم کو مریم کی بقیہ حیات ارضی سے علیحدہ نہیں کیا جاسکتا۔

یہ دیکھنا دلچسپ ہے کہ مذہبی ذہن کس طرح کام کرتا ہے: خصوصاً حقیقی شواہد میں عدم دلچسپی بلکہ صحیح معنی میں ان کی تحقیر کرنا۔ اس بات سے کوئی غرض نہیں کہ آیا اس بات کا ثبوت موجود بھی ہے کہ مریم واقعی آسمان میں اٹھائی گئیں، ان کے نزدیک عوام کے لیے یہ یقین رکھنا اچھا ہے کہ وہ اٹھائی گئیں۔ ایسا نہیں ہے کہ مذہبی حضرات جان بوجھ کر دروغ بیانی کرتے ہیں۔ لیکن ایسا لگتا ہے کہ انھیں حقیقت کی کوئی پرواہ نہیں، انھیں حقیقت جاننے میں کوئی دلچسپی نہیں، وہ نہیں جانتے کہ حقیقت کس چڑیا کا نام ہے، وہ حقیقت کو دوسری باتوں مثلاً علامتی، یا اساطیری اہمیت کے مقابلے میں نظر انداز کیے جانے کے قابل گردانتے ہیں۔ وہیں کیتھولک حضرات کو گڑھی ہوئی "حقیقتوں" پر یقین رکھنے کے لیے مجبور کیا جاتا ہے، اور یہ جبر غیر مشروط طور پر یقین رکھنے کا ہے۔ پیئس دوازدہم کے رفع مریم کو ڈوگما کے طور پر پیش کرنے سے پہلے ہی بوب بینیڈیکٹ دوازدہم نے رفع مریم کو ایک "امکانی رائے" قرار دے دیا تھا جس کا انکار کفر و فسق تھا۔ اگر کسی "امکانی رائے" کا انکار "کفر و فسق" ہے، تو آپ کسی ناقابل تردید ڈوگما کے انکار کی سزا کا تصور کر سکتے ہیں!

ایک بار پھر اس بے باک اعتماد کو ملاحظہ فرمائیں جس کے ساتھ مذہبی رہنما ایسے "حقائق" پر زور دیتے ہیں جن کے بارے خود ان کا اعتراف ہے کہ وہ کسی تاریخی ثبوت پر مبنی نہیں ہیں۔

کیتھولک انسائیکلوپیڈیا اسی جیسے حد سے زیادہ اعتماد کا خزینہ ہے۔ دوزخ یا پرگیٹری ایک قسم کی آسمانی انتظار گاہ ہے جہاں مردوں کو ان کے گناہوں کے لیے سزا دی جاتی ہے (یعنی انگریزی میں 'پرج' یا پاک کیا جاتا ہے) تا آنکہ انھیں جنت میں داخلہ دے دیا جائے۔ انسائیکلوپیڈیا میں پرگیٹری کے تحت ایک طویل حصہ "غلطیوں" کے لیے مختص ہے جس میں البیجنسیز، والڈنسز اور اپوسٹولیکی جیسے منکروں کے غلط تصورات کی فہرست درج ہے، کوئی تعجب کی بات نہیں ہے کہ اس فہرست میں مارٹن لوتھر اور جان کیلون کے نام بھی شامل ہیں۔[1] پرگیٹری کے وجود کے بارے میں بائبل نے جو دلیل دی ہے، اسے ہم عمومی مذہبی ابہام کی شعبدہ بازی اور ہاتھ کی صفائی کا تخلیقی استعمال کہیں گے۔ مثال کے طور پر، *انسائیکلوپیڈیا* میں لکھا ہے کہ 'خدا نے موسیٰ اور ہارون کی بے یقینی کو معاف کر دیا، لیکن سزا کے طور پر انھیں "ارض معہود" سے دور رکھا۔ اس بن باس کو پرگیٹری کے استعارے کے طور پر لیا گیا ہے۔ اس سے بھی بڑا ستم یہ کہ جب داؤد نے اوریاہ ہتی کو ہلاک کر دیا تا کہ وہ اوریاہ کی خوبصورت بیوی سے شادی کر سکے تو خدا نے اسے معاف کر دیا، لیکن اس قصور کی سزا معاف نہیں کی۔ خدا نے اس شادی کے نتیجے میں ہونے والی اولاد کو ہلاک

[1] http://www.catholic.org/encyclopedia/view.php?id=9745.

کر دیا(2 سیموئیل 14-13 :12)۔ آپ سوچیں گے کہ معصوم بچے پر ایسا ظلم۔ لیکن بظاہر یہ پرگیٹری کے استعارے کے لیے جزوی سزا ہے، جسے *انسائیکلوپیڈیا* کے مصنفین نے نظر انداز نہیں کیا۔

پرگیٹری کے نیچے 'پروف' کے عنوان کے تحت حصہ دلچسپ ہے کیوں کہ اس میں ایک قسم کی منطق کا استعمال ہے۔ استدلال اس طرح ہے۔ اگر مردے براہ راست جنت میں چلے جاتے تو ہمارا ان کی روحوں کے لیے دعا کرنے کا کوئی مطلب نہ رہ جاتا۔ ہم ان کی روح کے لیے دعا کرتے ہیں، کیا ایسا نہیں ہے؟ لہذا اس سے نتیجہ نکلتا ہے کہ مردے سیدھے جنت میں نہیں جاتے۔ چناں چہ وہاں ایک پرگیٹری کا ہونا لازمی ہے۔ چناں چہ کلیہ ثابت ہوا۔ کیا الہیات کے پروفیسروں کو اسی طرح کے کام کے پیسے ملتے ہیں؟

بہت ہوا۔ آیئے اب پھر سائنس کا رخ کریں۔ سائنس دان جب کوئی جواب نہیں جانتے تو انھیں خبر ہوتی ہے کہ وہ نہیں جانتے۔ تاہم جب وہ جانتے ہیں تب بھی انھیں خبر ہوتی ہے، اور انھیں اس کا اعلان کرنے کے لیے شرمیلے پن سے کام لینے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ معلومہ حقائق کو بیان کرنا، جب شواہد محفوظ ہوں، زعم نہیں ہے۔ جی ہاں، سائنس کے فلسفی کہتے ہیں کہ کوئی حقیقت اس وقت مفروضہ نہیں رہتی جسے کبھی جھٹلایا تو جا سکے تاہم ابھی تک جھٹلائے جانے کی زوردار کوششوں کے مقابلے میں وہ سینہ سپر رہی ہو۔ آیئے اسٹیفن جے گولڈ کے خوبصورت الفاظ میں گلیلیو کے اس منتر کو دہرائیں جو انھوں نے مجبور کیے جانے کے بعد بڑبڑائے تھے کہ "تب بھی یہ [زمین] حرکت پذیر ہے":

> سائنس میں "حقیقت" سے مراد بس یہی ہے "اس درجے تک تصدیق شدہ کہ اس کی تصدیق سے دست بردار ہو جانا انحراف کے مترادف ہو۔" میں فرض کرتا ہوں کہ کل سے سیب درخت سے نیچے گرنے کی بجائے اوپر کی طرف اٹھنا شروع ہو جائیں گے لیکن اس امر کا امکان ایسا نہیں ہے کہ فزکس کی کلاس روم میں اسے دوسرے موضوعات جتنا وقت دیا جائے۔[1]

اس معنی میں حقائق میں درج ذیل امور شامل ہیں، اور ان میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہیں ہے جو الہیات کی الٹی منطق پر لاکھوں کروڑوں گھنٹوں پر محیط صرف کیے گئے وقت کا رہین منت ہو۔ کائنات کا آغاز 13 سے 14 ارب سال پہلے ہوا۔ سورج اور سیارے جن میں ہمارا سیارہ بھی شامل ہے، گیس، دھول اور ملبے کی ایک گردش پذیر طشتری کے ٹھوس بننے سے ساڑھے چار ارب سال پہلے وجود میں آئے۔ لاکھوں برسوں کے عرصے میں دنیا کا نقشہ تبدیل ہو جاتا ہے۔ ہم ارضیاتی تاریخ کے کسی بھی دور میں براعظموں کی قریب قریب شکل اور ان کے محل وقوع سے واقف ہیں۔ اور ہم اس سے آگے کے تخمینوں سے اس بات کا اندازہ بھی رکھتے ہیں کہ مستقبل میں ان کی شکل کیا ہو گی۔ ہم جانتے ہیں کہ ہمارے اجداد کو ستاروں کے جھرمٹ کیسے نظر آتے تھے اور ہماری مستقبل کی نسلوں کو کیسے نظر آئیں گے اس کا بھی ہمیں علم ہے۔

کائنات میں مادہ غیر الل ٹپ انداز میں مجرد اجسام میں موجود ہے، جن میں سے بعض اپنے ہی محور کے گرد گردش کر رہے ہیں، بعض بیضوی مدار

---

[1] Stephen Jay Gould, 'Evolution as fact and theory', in *Hen's Teeth and Horse's Toes* (New York: W. W. Norton, 1994).

اس ترجمے کی اشاعت translationsproject.org پر کی گئی جہاں یہ مفت دستیاب ہے

میں دیگر اجسام کے گرد ریاضی کے اصولوں کے مطابق گردش میں ہیں جس سے ہم ایک ایک ثانیے کی درستگی کے ساتھ پیش گوئی کر سکتے ہیں کہ بعض قابلِ ذکر واقعات مثلاً گرہن اور عبوری ادوار کب رونما ہوں گے۔ یہ اجسام – ستارے، سیارے، ننھے سیارے، چٹانوں کے بے ہنگم ٹکڑے، وغیرہ – خود کہکشاؤں میں مجتمع ہیں، جن کی تعداد اربوں میں ہے، اور جن کا فاصلہ ان کہکشاؤں میں موجود ستاروں (جو خود اربوں کی تعداد میں ہیں) کے درمیان فاصلے سے کئی گنا ہے۔

مادہ جوہروں سے بنا ہے، اور جوہروں کی اقسام محدود ہیں جو تقریباً ایک سو عناصر پر مشتمل ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ ان عنصری جوہروں کی کمیت کیا ہے، ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ کوئی ایک عنصر ایک سے زیادہ آئسوٹوپ کا حامل کیوں ہوتا ہے جس کی کمیت ذرا سی مختلف ہوتی ہے۔ ماہرین کیمیا اس سلسلے میں وسیع علم رکھتے ہیں کہ عناصر سالموں میں کیوں جڑ جاتے ہیں۔ زندہ خلیوں میں سالمے انتہائی بڑے ہو سکتے ہیں، جن کی تعمیر ہزاروں جوہروں کی عین معلومہ ساختوں میں ہوتی ہے، اور یہ ایک دوسرے کے ساتھ مقامی تعلق رکھتے ہیں۔ ان کلاں سالموں کی عین ساختوں کو دریافت کرنے کے طریقے حیرت انگیز طور پر طباع ہیں، جن میں کرسٹلوں کے ذریعے ایکس رے کے بکھرنے پر پیچیدہ پیمائشیں کی جاتی ہیں۔ اس طریقے سے دریافت شدہ کلاں سالموں میں ایک سالمہ ڈی این اے بھی ہے جو آفاقی جینیاتی سالمہ ہے۔ جس طرح ڈی این اے ڈیجیٹل کوڈ میں پروٹین – جو کلاں سالموں کا ایک اور خاندان ہے اور حیات کے شاندار اوزار کی حیثیت رکھتا ہے – کی شکل اور نوعیت پر اثر انداز ہوتا ہے اس کی ہر تفصیل معلوم شدہ ہے۔ ارتقاپذیر جنین کے خلیوں کے رویے پر جس طرح یہ پروٹین اثر ڈالتے ہیں، اور پھر تمام زندہ اشیا کی ہیئت و تفاعل پر اثر انداز ہوتے ہیں وہ ایک ایسا کام ہے جو ہر وقت جاری و ساری ہے، جس کے بارے میں بہت کچھ جانا جا چکا ہے، تاہم اب بھی بہت کچھ جاننا باقی ہے۔

کسی بھی انفرادی جانور کے مخصوص جین کے لیے ہم جین میں ڈی این اے کوڈ کے حروف کی عین ترتیب لکھ سکتے ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ ہم عین درستگی کے ساتھ دو افراد کے درمیان یک حرفی تفاوت کی گنتی شمار کر سکتے ہیں۔ یہ اس بات کی مضبوط پیمائش ہے کہ ان کے مشترک جد کتنے عرصہ پہلے رہتے تھے۔ یہ کسی نوع کے بیچ موازنے میں بھی کام کرتا ہے – مثلاً آپ کے اور براک اوباما کے درمیان – اور دو انواع کے درمیان بھی – مثلاً آپ کے اور کسی جنگلی سوَر کے درمیان۔ یہاں بھی ایک تفاوت کو عین درستگی کے ساتھ شمار کر سکتے ہیں۔ یہ درستگی روح پرور ہے اور ہماری نوع ہوموسیپی اینس پر فخر کرنے کو جواز بخشتی ہے۔ یہاں بغیر کسی زعم کے لینیئس (Linnaeus) کا دیا گیا مخصوص نام بجا محسوس ہوتا ہے۔

زعم بلاجواز فخر کو کہتے ہیں۔ فخر کا جواز ہو سکتا ہے، اور سائنس کو ببانگ دہل یہ فخر حاصل ہے۔ جس طرح بیتھوون، شیکسپیئر، مائیکلینجیلو اور کرسٹوفر رین کو ہے۔ جس طرح ان انجینئروں کو ہے جنھوں نے ہوائی اور کینری جزیرے میں عظیم الجثہ دوربینیوں کی تعمیر کی، یہ دیوہیکل دوربینیں جنوبی آسمانوں میں بغیر بینائی کے جھانکتی ہیں، یا ہبل دوربین جو زمین کے گرد گردش کر رہی ہے اور اس کا خلائی طیارہ جس نے اسے خلا میں چھوڑا۔ سرن (CERN) میں زمین کے اندر گہرائی میں انجینیئرنگ کے شاہکار جو دیوپیما اجسام کو انتہائی خوردبین درست پیمائشوں کے ساتھ مربوط کرتے ہیں، جب مجھے یہ سب دکھایا گیا تو انھیں دیکھ کر میری آنکھیں بھر آئیں تھیں۔ روزیٹا مشن جس نے کامیابی کے ساتھ ایک دم دار

ستارے کے ننھے منے نشانے پر ایک روبوٹ کو اتارا تھا، اس میں کام آنے والی انجینیئرنگ، ریاضی اور طبیعیات کے استعمال سے مجھے اپنے انسان ہونے پر فخر ہوا۔ اسی ٹیکنالوجی کی ترمیم شدہ شکل کسی دن ہماری سمت آنے والے کسی ایسے خطرناک دم دار ستارے کا رخ تبدیل کر کے ہمارے سیارے کی حفاظت کرے گی، جیسے کبھی ڈائنوسار کے زمانے میں زمین پر گرا تھا اور ڈائنوسار سیارے سے معدوم ہو گئے تھے۔

انسانی فخر سے کس شخص کا سینہ نہیں پھولتا ہو گا جب وہ لیگو (LIGO) آلات کے بارے میں سنتا ہو گا جن کے ذریعے لوزیانا اور واشنگٹن میں، کشش ثقل کی لہروں کا پتہ چلا جن کا طول و عرض ایک پروٹون سے بھی کم ہے؟ پیمائش کا یہ کارنامہ، علم ہیئت میں گہری اہمیت رکھتا ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے زمین سے ستارے پروکسیما سینٹوری کے درمیان کی دوری کو ایک انسانی بال کی چوڑائی کی صحت کے ساتھ ناپا جانا۔

کوانٹم نظریے کی تجرباتی جانچوں میں بھی اسی پائے کی درستگی ملتی ہے۔ یہیں پر انسانی صلاحیت کی تجرباتی طور پر نظریے کی پیش گوئی اور ہمارے اپنے نظریے کے تصور کے بیچ چشم کشا فرق دکھائی دیتا ہے۔ ہمارے دماغ معتدل پیمانے کے مکانوں (spaces) میں افریقی سوانا کے جنگلوں میں بھینس کی جسامت کی اشیا کو شیر کی رفتار سے سمجھنے کے لیے ارتقا پذیر ہوئے ہیں۔ ارتقا نے ہمیں وجدانی طور پر ایسی اشیا کو سمجھنے کے لیے تیار نہیں کیا جو آئنسٹینی مکان میں آئنسٹینی رفتار سے حرکت کرتی ہیں یا وہ اتنی خورد ہوتی ہیں کہ انھیں "شے" کہنا بھی مناسب نہیں لگتا۔ البتہ ہمارے ارتقا یافتہ دماغوں کی قوت نے ہمیں اس قابل بنایا کہ ریاضی کی مستحکم عمارت تیار کر سکیں اور ان رویوں یا اشیا کی درستگی کے ساتھ پیش گوئی کر سکیں جو ہمارے وجدانی فہم مس مضمر ہیں۔ اس بات سے بھی مجھے اپنے انسان ہونے پر فخر ہے، گو کہ مجھے افسوس ہے کہ میں خود اپنی نوع میں ریاضی کے علم میں طاق نہیں ہوں۔ قدرے کم نفیس تاہم پھر بھی ایسی کہ جس پر بجا طور پر فخر کیا جا سکتا ہے وہ ترقی یافتہ ٹکنالوجی ہے، جو مسلسل ترقی پذیر ہے، جو ہماری روزمرہ زندگی میں ہمارے گرد و پیش میں موجود ہے۔ آپ کا اسمارٹ فون، آپ کا لیپ ٹاپ کمپیوٹر، آپ کی کار میں سیٹلائٹ نیوی گیشن آلہ اور وہ سیٹلائٹ جو اسے معلومات فیڈ کرتے ہیں، آپ کی کار بھی، عظیم الجثہ طیارہ جو نہ صرف اپنا وزن اٹھا کر پرواز کرتا ہے بلکہ مسافروں اور سامان نیز 120 ٹن ایندھن کو بھی اٹھا کر لے اڑتا ہے جس پر یہ سات ہزار میل کے سفر میں تیرہ گھنٹے تک گزارا کرتا ہے۔

اس سے ذرا کم معروف، لیکن جلد ہی معروف ہونے والی تھری ڈی پرنٹنگ ٹکنالوجی ہے۔ ایک کمپیوٹر تہوں کی ترتیب جماتے ہوئے ٹھوس اشیا کے "پرنٹ" نکالتا ہے جیسے شطرنج کے فیل مہرہ، یہ عمل حیاتیاتی تھری ڈی پرنٹنگ کی شکل، علم جنین سے خاصا اور دلچسپ حد تک مختلف ہے۔ ایک تھری ڈی پرنٹر کسی موجودہ شے کی عین نقل بنا سکتا ہے۔ اس میں ایک تکنیک کمپیوٹر میں اس شے کی مختلف زاویوں سے لی ہوئی تصویریں فیڈ کرنا ہے جس کی نقل مطلوب ہے۔ کمپیوٹر انتہائی پیچیدہ حساب کرتا ہے جس سے ٹھوس شکل کی مختلف زاویوں سے تحلیل ہوتی ہے۔ عین ممکن ہے کہ کائنات میں زندگی کی ایسی شکلیں موجود ہوں جو اپنے بچوں کو جسم کی اسکیننگ کے طریقے سے پیدا کرتے ہوں لیکن ہمارا اپنا تولیدی نظام اس سے یکسر مختلف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ علم حیاتیات کی تمام درسی کتابیں جب ڈی این اے کو زندگی کا "بلیو پرنٹ" قرار دیتی ہیں تو غلط بیانی سے کام لیتی ہیں۔ ڈی این اے پروٹین کا بلیو پرنٹ ہو سکتا لیکن یہ کسی بچے کا بلیو پرنٹ نہیں ہے۔ یہ کھانا بنانے کی کسی ریسپی یا کمپیوٹر

اس ترجمے کی اشاعت translationsproject.org پر کی گئی جہاں یہ مفت دستیاب ہے

پروگرام سے زیادہ مشابہ ہے۔

ہم سائنس کے ذریعے معلومہ حقائق اور تفصیلات کا جشن منانے میں مغرور نہیں، اور یقینی طور پر زعم میں تو بالکل مبتلا نہیں ہیں۔ ہم محض دیانت دارانہ اور ناقابل تردید سچ بیان کرتے ہیں۔ اور اس کھلے اعتراف میں بھی دیانت داری برتتے ہیں جو ہم نہیں جانتے یعنی اور کتنا کام کیا جانا باقی ہے۔ بلکہ یہ تو مزعومہ گھمنڈ کی ضد ہے۔ سائنس اپنی کمیت اور تفصیل میں انتہائی انکساری کے ساتھ اس علم کا مجموعہ ہے جو ہم جانتے ہیں اور جو ہم نہیں جانتے۔ اس کے برعکس مذہب نے ہمارے علم میں شرم ناک طور پر صفر کے برابر اضافہ کیا ہے، اور جن نام نہاد حقائق کو اس نے گڑھ لیا ہے اس پر اُسے مزعومہ اعتماد بھی ہے۔

لیکن میں مذہب کے الحاد کے ساتھ اختلاف کا ایک اور کم واضح نکتہ پیش کرنا چاہتا ہوں۔ میں کہنا چاہتا ہوں کہ الحادی نظریہ دانش ورانہ جرأت کی ایک بے نام خوبی سے متصف ہے۔ میں اس کی ابتدا اس نکتے سے کروں گا جو جملہ معترضہ محسوس ہو سکتی ہے۔

فریڈ ہوئل کی کتاب دی بلیک کلاؤڈ (The Black Cloud)[1] ان بہترین سائنس فکشن ناولوں میں سے ایک ہے جو میں نے پڑھے ہیں (اس کے ناپسندیدہ ہیرو کے باوجود)، یہ ناول وہ کام کرتا ہے جو کسی اچھے سائنس فکشن کو کرنا چاہیے یعنی تفریح کے ساتھ حقیقی سائنس کے بارے میں ہمارے علم اور دلچسپی میں اضافہ کرنا۔ دی بلیک کلاؤڈ ایک اجنبی سیارے کی مخلوق ہے جو فوق البشر قوتوں کی حامل ہے، یہ خود کو سورج کے مدار میں رکھ کر اس سے توانائی حاصل کرتا ہے۔ سائنس دان آخر کار اس سے رابطہ کرنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور اس میں خاصی ڈرامائیت واقع ہوتی ہے۔ جب ناول اپنے کلائمکس کی جانب بڑھتا ہے تو وہ کلاؤڈ سے اپنا علم منتقل کرنے کو کہتے ہیں، جو ان طبیعیات دانوں سے اتنے آگے کا علم ہے جتنا ہمارے لیے مثال کے طور پر ارسطو کا علم ہے۔ کلاؤڈ آمادہ ہو جاتا ہے لیکن وضاحت کرتا ہے کہ جس برقی سرعت سے چلنے والے کوڈ کے ذریعے یہ اپنا علم منتقل کرے گا وہ ایک وقت میں صرف ایک انسان ہی کو منتقل ہو سکے گا۔ ایک ہونہار نوجوان سائنس دان ڈیو وائکارٹ اس کام کے لیے خود کو رضاکار کے طور پر پیش کرتا ہے۔ آخر میں وہ ایک ایسی نیند میں چلا جاتا ہے جس سے دوبارہ نکل نہیں پاتا، اور دماغ کے شدید گرم ہونے کی بنا پر اس کی موت ہو جاتی ہے۔ ایک طویل ترکش مکش کے بعد یہی واقعہ کرسٹوفر کنگزلے کے ساتھ رونما ہوتا ہے جو اس کہانی کا ایسٹرو فزیسسٹ ہیرو ہے۔ انسانی دماغ، حتیٰ کہ عالمی سطح کے فزکس کے ماہرین کے دماغ بھی فوق البشر علم سے نمٹنے کے لیے نہیں بنے ہیں۔

کلاؤڈ ایک ہنگامی مشن پر کہکشاں کے دوسرے حصے کے لیے روانہ ہو جاتا ہے۔ وہ وضاحت کرتا ہے کہ اس کی عظیم معلومات کے باوجود چند ایسے مسائل ہیں، جنھیں ڈیپ پرابلمز کہا جاتا ہے، جو اس کی سمجھ سے بالا ہیں۔ کسی اچھے سائنس دان کی طرح فوق البشر بلیک کلاؤڈ میں اتنی انکساری تو ہے کہ وہ تسلیم کر سکے کہ اسے کیا نہیں معلوم۔ اس کی روانگی کا سبب یہ ہے کہ ایک پڑوسی بلیک کلاؤڈ نے، جو چند نوری برسوں کے فاصلے پر ہے، یہ دعویٰ کیا ہے کہ اس نے ڈیپ پرابلمز کا حل نکال لیا ہے۔ اس دعوے کے بعد سے اس کی جانب سے کوئی اور پیغام موصول نہیں ہوا، اور ہمارے کلاؤڈ نے اس کے قریب ترین ہم سایہ ہونے کی حیثیت سے اس بات کو اپنا فرض خیال کیا کہ جا کر تحقیق کرے کہ وہ مر گیا یا ڈیپ پرابلمز کا جواب بتانے کے لیے زندہ ہے جن کا حل طویل مدت سے تلاش کیا جا رہا ہے۔ قاری کو اس شبہے کی جانب لے جایا جاتا ہے کہ ہم سایہ کلاؤڈ اسی مہلک

[1] Fred Hoyle, *The Black Cloud* (London: Heinemann, 1957)

گرمی کی وجہ سے ہلاک ہو گیا جو وائکارٹ اور کنگزلے کی موت کی وجہ بنی تھی۔

ہمارے لیے ڈیپ پرابلمز کیا ہیں؟ وہ کون سے سوالات ہیں جن کے ہمیشہ ہماری دسترس سے باہر رہنے کا امکان ہے؟ انیسویں صدی کے اوائل میں، ذہن میں یہ سوال آتے تھے کہ پیچیدہ حیات کس طرح وجود میں آئی اور کس طرح متنوع شکلوں میں پھیل گئی، تاہم ان سوالات کا جواب حتمی طور پر ڈارون اور اس کے جانشینوں نے دے دیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ باقی بچے ڈیپ پرابلمز میں اس طرح کے سوالات ہیں: 'دماغ کی عضویات موضوعی شعور کیسے پیدا کرتی ہیں؟' 'طبیعیات کے قوانین کہاں سے آتے ہیں؟' طبیعیات کے بنیادی مستقلات (constants) کون طے کرتا ہے؟' اور 'لاشے کی بجائے کوئی شے کیوں ہے؟' یہ حقیقت کہ سائنس ابھی ان سوالوں کے جواب دینے سے قاصر ہے، سائنس کی انکساری کی غماز ہے۔ اس کا یقیناً یہ مطلب نہیں ہے کہ مذہب کے پاس ان سوالات کے جواب ہیں۔ سائنس آئندہ صدی تک ان ڈیپ پرابلمز کا حل نکال بھی سکتی ہے اور نہیں بھی۔ اور اگر سائنس، بشمول فوق البشر ارتقایافتہ اجنبی سیاروں کی مخلوق کے، ان سوالوں کے جواب نہ دے سکی، تو کوئی بھی نہیں دے سکے گا۔ الہیات سے تو یہ توقع کرنا ہی فضول ہے۔

لیکن میں نے عرض کیا تھا کہ میں الحادی نظریے کی دانش ورانہ جرأت کا نکتہ پیش کروں گا، ایسا میں ڈیپ پرابلمز کے سیاق میں کروں گا۔ لاشے کی بجائے کوئی شے کیوں ہے؟ ہمارے فزیسسٹ ساتھی لارنس کراس اپنی کتاب اے یونیورس فرام نتھنگ (A Universe from Nothing)[1] میں متنازعہ طور پر کہتے ہیں کہ کوانٹم نظریے کی وجوہ کی بنا پر لاشے غیر مستحکم ہے۔ جس طرح مادہ (میٹر) اور ضد مادہ (اینٹی میٹر) ایک دوسرے کو ختم کر کے لاشے بناتے ہیں، اسی طرح اس کا معکوس عمل بھی واقع ہو سکتا ہے۔ ایک الل ٹپ کوانٹم تغیر پذیری سے مادہ اور ضد مادہ لاشے اچانک وجود میں آجاتے ہیں۔ ان کی تشریح ایسی نہیں جو لاشے کے بارے میں سب کو آسانی سے سمجھ میں آجائے، تاہم یہ کم از کم انتہائی سادہ ہے، اتنی سادہ جتنی کہ ہونی چاہیے، اگر اسے 'کرین' کی اساس کی تشریح پوپورا اترنا ہے (ڈین ڈینیٹ کا فقرہ)، جیسے کونیاتی افراط یا ارتقا۔ یہ سادہ ہے اگر اس کا موازنہ دنیا کے ان عام طور پر سمجھے جانے والے افعال کے ساتھ کیا جائے جو اس سے نکلتے ہیں، جیسے بگ بینگ، افراط، کہکشاں کی تشکیل، ستارے کی تشکیل، ستاروں کے اندر عنصر کی تشکیل، سپر نووا کے خلا میں عناصر کے دھماکے سے ہونے والے انفجار، زمین جیسے چٹانی سیاروں میں عناصر سے لیس دھول کے بادلوں کے ٹھوس بننے کا عمل، کیمیا کے قانون جن سے کم از کم اس سیارے پر پہلا خود نقل ساز سالمہ وجود میں آیا، پھر فطری انتخاب کے ذریعے ارتقا ہوا اور پوری حیاتیات جسے آج ہم جانتے ہیں، کم از کم اصولی طور پر سمجھی گئی ہے۔

میں دانش ورانہ جرأت کی بات کیوں کرتا ہوں؟ کیوں کہ انسانی ذہن، خود میرے ذہن سمیت، جذباتی طور پر اس تصور کے ساتھ بغاوت کرتا ہے کہ زندگی جیسی پیچیدہ چیز، اور وسعت پذیر کائنات کس طرح 'بس واقع ہو گئی'۔ آپ کو جذباتی بے یقینی سے باہر نکلنے، اور اس بات پر آمادہ کرنے کے لیے کہ کوئی اور منطقی متبادل موجود نہیں، جرأت درکار ہے۔

[1] Lawrence M. Krauss, *A Universe from Nothing: Why There is Something rather than Nothing* (New York: Free Press, 2012).

اس ترجمے کی اشاعت translationsproject.org پر کی گئی جہاں یہ مفت دستیاب ہے

چھوٹے پیمانے پر، یہ میرے جذباتی رد عمل کو عالمی سطح کے شعبدے باز جیسے جیمی ایان سوئس، یا ڈیرن براؤن یا پین اور ٹیلر کے کسی شان دار شعبدے کی یاد دلاتا ہے۔ جذبات چیختے ہیں: 'یہ معجزہ ہے! یہ فوق الفطرت ہو گا' جس سے عقل کی دھیمی آواز لگ بھگ دب جاتی ہے کہ 'نہیں، یہ بس شعبدہ ہے، یقیناً اس کی کوئی منطقی وضاحت موجود ہے۔' پھر ایک اور مدھم آواز (میں تصور کرتا ہوں) اسکاٹش ڈیوڈ ہیوم کے بردبار لہجے کی شکل میں ابھرتی ہے: 'کون سی بات زیادہ امکانی ہے، یہ کہ ناممکن ابھی ابھی ممکن ہوا یا کسی شعبدہ باز نے آپ کو بے وقوف بنا دیا۔' آپ کو عقل کی جرأت مندانہ جست لگانے اور یہ کہنے کے لیے اس بات کو سمجھنے کی ضرورت نہیں ہے کہ چال کس طرح چلی گئی: 'اسے ہضم کرنا مشکل ہے، میں جانتا ہوں یہ ایک شعبدہ ہے۔ طبیعیات کے قوانین محفوظ ہیں۔'

شعبدہ بازی سے کائنات کی جانب آتے ہیں۔ یہاں بھی جذبات چیختے ہیں: 'نہیں نہیں، اس پر یقین نہیں کیا جا سکتا! آپ مجھ سے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ پوری کائنات، بشمول میرے، اور درختوں کے، اور گریٹ بیریئر ریف کے، اور اینڈرومیڈا گیلیکسی کے، اور اس ریچھ کی انگلی کے، سب کے سب بے سمجھے بوجھے جوہری ذرات کے ٹکراؤ کا نتیجہ ہیں، ان کا کوئی بنانے والا، کوئی معمار نہیں ہے؟ آپ سنجیدہ نہیں ہو سکتے۔ کیا یہ تمام پیچیدگی اور جمال لاشے سے، اور الل ٹپ تغیرات سے، وجود میں آ گئے؟ رہنے دیں۔' پھر عقل آہستگی اور سنجیدگی سے جواب دیتی ہے: 'ہاں، زنجیر کی بیشتر کڑیاں سمجھی جا چکی ہیں، اگرچہ اب تک نہیں سمجھی جا سکی تھیں۔ حیاتیاتی مراحل کے معاملے میں، انھیں 1859 سے سمجھ لیا گیا ہے۔ لیکن اہم بات یہ ہے کہ خواہ ہم ساری کڑیاں نہیں سمجھ سکے، تب بھی یہ اصول کوئی نہیں بدل سکتا کہ جس شے کی وضاحت آپ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں وہ خواہ کیسی ہی غیر امکانی کیوں نہ ہو اس میں کسی خالق خدا کا تصور آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکے گا کیوں کہ خدا کے لیے خود اسی طرح کی وضاحت کی ضرورت ہو گی۔' سادگی کی اصل کی تشریح کرنا خواہ کتنا ہی دشوار کیوں نہ ہو، تعریف کی رو سے، پیچیدگی کا اچانک ابھرنا زیادہ غیر امکانی بات ہے۔ اور کائنات کو ڈیزائن کرنے والی تخلیقی ذہانت تو بہت زیادہ غیر امکانی ہو گی اور اسے خود اپنی وضاحت کی بہت زیادہ ضرورت ہو گی۔ وجود کی پہیلی کا فطری جواب خواہ کتنا ہی غیر امکانی ہو، الہیاتی متبادل اس سے زیادہ غیر امکانی ہے۔ لیکن اس نتیجے تک پہنچنے کے لیے جرأت کی جست لگانی پڑتی ہے۔

جب میں کہتا ہوں کہ الحادی نظریہ دانش ورانہ جرأت کا تقاضا کرتا ہے تو میری یہی مراد ہوتی ہے۔ اس کے لیے اخلاقی جرأت بھی درکار ہے۔ ملحد ہونے کے ناطے آپ اپنے خیالی دوستوں کو چھوڑ دیتے ہیں، آسمانی باپ کے سکوں بخش تصور کی بیساکھیاں، جو آپ کو مشکل سے بچاتا ہے، ترک کر دیتے ہیں۔ آپ مرنے والے ہیں یا آپ کبھی دوبارہ اپنے مرے ہوئے عزیزوں سے نہیں مل سکیں گے۔ کوئی مقدس کتاب نہیں ہے جو آپ کو بتائے کہ کیا کرنا ہے، آپ کو بتائے کہ کیا غلط ہے اور کیا صحیح۔ آپ علمی طور پر بالغ ہیں۔ آپ کو زندگی کا سامنا کرنا ہے، اخلاقی فیصلوں کا سامنا کرنا ہے۔ لیکن اس بالغ جرأت میں ایک وقار ہے۔ آپ مردانہ وار حقیقت کی تند ہوا کا سامنا کرتے ہیں۔ آپ کے ساتھی ہیں، آپ کے گرد پرجوش انسانی باہیں، اور ایک ایسا کلچر جس نے نہ صرف سائنسی علم اور مادی آسائشوں کی تشکیل کی جو اطلاقی سائنس ہمارے لیے لائی ہے، بلکہ فنون لطیفہ، موسیقی، قانون کی حکمرانی اور اخلاقیات پر متمدن بیانیہ بھی پیش کیا۔ اخلاقیات اور معیار زندگی کو ذہین ڈیزائن کے ذریعے بنایا جا سکتا ہے، ایسے ڈیزائن کے ذریعے جو حقیقی، ذہین انسانوں کا ہو جو واقعی موجود ہیں۔ ملحدین حقیقت کو حقیقت کے طور پر قبول کرنے کا دانش ورانہ حوصلہ رکھتے ہیں، یہ حقیقت

شاندار اور حیرت انگیز طور پر قابل وضاحت ہے۔ ملحد کی حیثیت سے آپ کے اندر اخلاقی ہمت ہے کہ اپنی زندگی کو پوری طرح جئیں، حقیقت میں پوری طرح رہیں، اس سے لطف اندوز ہوں اور آپ نے اسے جس طرح پایا اس سے بہتر شکل میں چھوڑ کر جانے کے لیے اپنی پوری توانائی صرف کر دیں۔

اس ترجمے کی اشاعت translationsproject.org پر کی گئی جہاں یہ مفت دستیاب ہے

پاس ہمسائیگی

ڈینیئل سی ڈینیٹ

کسی کے عوامی اقدامات کے اثرات کا صحیح طور سے اندازہ لگانا آسان نہیں۔ ان کی اثر انگیزی کو کسی پہلے سے جاری رجحان کی بنا پر حد سے بڑھے ہوئے کریڈٹ دینے کا میلان رہتا ہے۔ بعض لوگوں نے ہماری ملاقات کو اس مظہر کا محرک قرار دیا ہے جسے عظیم رد عمل سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، جس کی وجہ سے پوری دنیا میں چرچیں خالی ہو رہی ہیں۔ تاہم، ہم میں سے کسی نے بھی اس کی حمایت نہیں کی، گو کہ یہ بات بہت خوش آئند ہے۔ یہی حال اس کے برعکس اندازے کا بھی ہے: یعنی چند موزوں اور بروقت اعلامیوں کے مددگار کردار کی قدر میں تخفیف کرنا۔ آج انٹرنیٹ اور اس کے معاون آلات کی پیدا کردہ نئی شفافیت کی بدولت میمز میں یہ صلاحیت ہے کہ وہ تقریباً روشنی کی رفتار سے وائرل ہوسکتے ہیں (اور ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے اثرات کو بھی نظر انداز نہ کریں)۔

ایم آئی ٹی میڈیا لیب کے پروفیسر دیب رائے اور میں نے ان امکانات پر چند سال پہلے ایک جریدے سائنٹفک امیریکن میں روشنی ڈالی تھی جس میں موجودہ ہلچل کا موازنہ 543 ملین سال پہلے کے انتہائی تخلیقی، لیکن تباہ کن بھی، کیمبرین دھماکے (Cambrian Explosion) سے کیا تھا[1]۔ آسٹریلیائی ماہر حیوانیات اینڈریو پارکر نے یہ مفروضہ پیش کیا کہ ایک کیمیائی تبدیلی کی وجہ سے اتھلے سمندر اور زیادہ شفاف ہوگئے اور اس سے ارتقائی ہتھیاروں کی دوڑ کے اولپیاڈ کا آغاز ہوا، اس کی وجہ سے قدیم شاخیں معدوم بھی ہوئیں اور شجر حیات پر نئی نویلی شاخیں بھی پھوٹیں[2]۔ اس سے قطع نظر کہ پارکر کیمبرین دھماکے کے بارے میں صحیح ہیں یا نہیں—اور اگر میری رائے کسی قابل ہو تو، وہ درست ہیں— آج ہم جس انٹرنیٹ دھماکے کا مشاہدہ کر رہے ہیں اس پر شک کی گنجائش بہت کم ہے۔

> ہم اس پہلے کبھی اتنی دور تک، اتنی تیزی سے، اتنے سستے میں اور آسانی سے دیکھنے کے قابل نہیں ہوئے تھے—اور اسی طرح ہمیں بھی دیکھا جاسکتا ہے۔ اور آپ اور میں دیکھ سکتے ہیں کہ باہمی علم کے اس آئینہ خانے میں جو ہماری صلاحیت میں اضافہ بھی کر رہا ہے اور ہماری راہ میں رکاوٹ بھی ڈال رہا ہے، ہر شخص وہ دیکھ سکتا ہے جو ہم دیکھ رہے ہیں۔ آنکھ مچولی کے اس قدیم کھیل نے، جس کی بدولت کرہ ارض پر زندگی مختلف شکلوں میں نمودار ہوئی تھی، اچانک اپنا میدان، آلات اور قاعدے بدل لیے۔ جو کھلاڑی اس کھیل میں خود کو ایڈجسٹ نہیں کر پائیں گے وہ زیادہ دیر تک نہیں چل پائیں گے۔[3]

---

[1] ڈینیئل سی ڈینیٹ، دیب رائے، 'Our transparent future'، سائنٹفک امیریکن، مارچ 2015۔

[2] اینڈریو پارکر In the Blink of an Eye: How Vision Sparked the Big Bang of Evolution (نیویارک: بیسک بکس، 2003)۔

[3] ڈینیٹ اور رائے، 'Our transparent future' ص 67۔

یقینی طور پر باہمی علم کی اسی توسیع نے بڑی حد تک نو الحاد کے عروج کو ممکن بنایا۔ آپ کے کچھ بہترین دوست ملحد ہوسکتے ہیں، اور آپ اس سے باخبر ہوں گے، لیکن اب تقریباً ہر شخص جانتا ہے کہ تقریباً ہر شخص کے کچھ بہترین دوست ملحد ہیں۔ اب ملحد ہونے کی حیثیت سے 'سامنے آنا' اتنا مشکل اور خطرناک نہیں رہا ہے۔ اعداد میں قوت مضمر ہے، لیکن اس سے زیادہ قوت اس بات میں ہوتی ہے جب اعداد کو معلوم ہو کہ وہ کتنی بڑی تعداد میں ہیں۔ اس سے کچھ حد تک ہم آہنگی کا امکان پیدا ہوتا ہے، جس پر محتاط استدلال کی ضرورت بھی نہیں۔ حال ہی میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ بیکٹیریا– جو دیگر جانداروں کی طرح خاصے ناقابل فہم ہوسکتے ہیں– 'کورم سینسنگ' [یعنی اپنی مخصوص تعداد کے پورے ہونے کا احساس] کرتے ہیں، اور اپنی کسی نئی سادہ اسٹریٹجی کو اس وقت تک مؤخر کرتے ہیں جب تک کہ اپنی ہمسائیگی میں اجتماعی کارروائی میں حصہ لینے کے لیے کافی ساتھیوں کو محسوس نہ کرلیں۔

ایک اور نسبتاً لطیف مظہر ہے جسے روزمرہ زندگی میں محسوس کیا جاسکتا ہے۔ آپ کو اپنی برادری میں سیاسی طور پر طاقت ور، مشہور یا بلیغ ہونے کی ضرورت نہیں ہے: آپ بس ایک سیکریفیشیل اینوڈیا [ایک دھاتی برقپاش] بن جائیں۔ یہ اصطلاح خطرناک بھی لگتی ہے اور مذہبی بھی، لیکن یہ دونوں میں سے کچھ بھی نہیں ہے۔ ملاحوں، ماہی گیروں اور دیگر افراد جو کشتیوں اور جہازوں پر کام کرتے ہیں ان کے درمیان یہ بہت معروف ہے۔ اسے اور ناموں سے بھی جانا جاتا ہے جیسے کیتھوڈک پروٹیکشن سسٹم، یا محض زنک، یہ اصطلاح مجھے پسند ہے کیوں کہ اس سے چونکانے دینے والا منظر ذہن میں ابھرتا ہے– سیکریفیشیل پلیٹ یعنی قربانی کا تختہ (کیا ابھی آپ کے ذہن میں یوحنا صباغ کے سر کا منظر آیا جو سالوم کی طشتری میں رکھا ہوا ہے؟)

جب لوہے کی کشتی یا جہاز کے کانسے یا پیتل سے بنا پروپیلر کھارے پانی میں اترتا ہے تو اس سے ایک طرح کی بیٹری پیدا ہوتی ہے، الیکٹرون اچانک لوہے سے بھرت (alloy) کی سمت میں بہنے لگتے ہیں، اور اسے بڑی تیزی سے کھانے لگتے ہیں۔ نئے نویلے ٹھوس پیتل کے پروپیلر کا کچھ ہی دنوں میں خراب ہونے کا امکان ہوتا ہے اور کچھ ہی مہینوں میں یہ بالکل برباد ہوسکتا ہے۔ اس پر کسی حفاظتی پینٹ کی تہ بھی مؤثر ثابت نہیں ہوتی۔ حل یہ ہے: زنک کے ٹکڑے کو (دوسری دھاتیں بھی کام کرتی ہیں لیکن مختلف وجوہ سے زنک بہتر ہے) لوہے کے ساتھ کس دیں (یا پھر زنک کے پینچ پروپیلر کی دھوری پر چڑھادیں) اور آپ کا مسئلہ حل ہوجائے گا۔ زنک کا معمولی سا ٹکڑا کانسے یا پیتل کے مقابلے کیمیائی طور پر زیادہ متحرک ہونے کی وجہ سے 'تمام تر گرمی (یعنی برقی رو کو) کو جذب کرلیتا ہے' اور خود کو زیادہ بھاری کام کرنے والے پرزے کی جگہ قربان ہونے دیتا ہے۔ سال میں ایک بار آپ آسانی سے زنک کے تقریباً نابود ٹکڑے کو بدل کر نیا سیکریفیشیل اینوڈ لگاسکتے ہیں۔

اس تمثیل کا سیاسی سبق واضح ہے۔ اگر آپ مثال کے طور پر کوئی امریکی سینیٹر، نمائندے، یا کوئی دوسرے عہدیدار ہیں جس کی اشتعال انگیز شدت پسندی (کسی بھی پہلو یا سمت میں) والی ساکھ کی وجہ سے بہت متاثر ہوسکتی ہے، تو اس صورت حال میں چند لوگوں کا آپ کی خاطر آگے بڑھ کر خود کو 'انتہائی بنیاد پرست' کی حیثیت سے ظاہر کرنا بہت مفید ثابت ہوسکتا ہے کیوں کہ ان کی معاش اور سلامتی ایسی ساکھ پر منحصر نہیں کرتی۔ کسی بھی سیاسی تفریق کے طرفین اپنے مخالف کی رائے کو بڑھا چڑھا کر پیش کرتے ہیں، چنانچہ موثر سیاسی وکالت کا انحصار اس قابلیت پر ہوتا ہے کہ وہ

اس ترجمے کی اشاعت translationsproject.org پر کی گئی جہاں یہ مفت دستیاب ہے

اپنی ہم خیال آرا میں سے قدرے زیادہ متحرک رائے کو مسترد کر سکیں۔

یقیناً اس کی بھی حدود ہیں۔ ہتھیاروں کی کسی بھی دوڑ کی طرح، متحرک باہمی کشمکش ہوتی ہے، اور اگر پولرائزیشن بہت شدید ہو جائے– جہاں بہت سے لوگ اپنے پسندیدہ سیاستدانوں کے لیے سیکریفیشیل اینوڈ بننے کے لیے تیار ہوں–تو اسٹریٹجک اصول اپنی قدر کھو دیتا ہے۔ تاہم کسی کے کھلے اور اصل خیالات کا اظہار، خواہ وہ آپ کو کیسے ہی اکتا دینے والے اور عامیانہ محسوس ہوں، شان دار طریقے سے کام کر سکتا ہے۔ بس سکون سے ہمسایوں کو بتائیں کہ آپ x کے حق میں ہیں، y کو مسترد کرتے ہیں اور آپ کے نزدیک z قابل اعتماد نہیں ہے– مختصر یہ کہ محض ایک باخبر شہری ہی نہیں بلکہ باخبر کرنے والا شہری بنیں–اس سے قطعی طور پر پولرائزیشن کو کم کرنے میں مدد ملے گی اور آپ کے حق میں بدلی ہوئی رائے ہم وار ہوتی چلی جائے گی۔

ہم چاروں افراد کے بیچ رائے کا تنوع ان عوامل کی ایک عمدہ عملی مثال ہے۔ زندگی میں مجھے ایک 'اچھے پولیس والے' کا کردار نبھانے کا موقع ملا، کیونکہ مجھے یقین ہے کہ ہمیں اس اچھائی کا تحفظ کرنا چاہیے جو منظم مذاہب کر سکتے ہیں۔ کیا مذہب 'ہر شے کو مسموم' کر دیتا ہے، جیسا کہ میرے عزیز مرحوم دوست ہچ کا کہنا ہے؟[1] میرے خیال میں بہت بے ضرر معنی میں۔ بہت سی چیزیں معتدل مقدار میں بالکل بے ضرر ہوتی ہیں اور ان کی زیادتی زہریلی ثابت ہوتی ہے۔ میں سمجھ سکتا ہوں کہ ہچ نے کیوں اس نقطہ نظر پر اصرار کیا تھا۔ ایک غیر ملکی نمائندے کی حیثیت سے وہ مذہب کی بدترین خصوصیات کا براہ راست تجربہ رکھتے تھے، جب کہ میں ان سب باتوں کو صرف دوسروں کے تجربے سے جانتا ہوں–اکثر ان کی رپورتاژ کی بدولت۔ اس کے برعکس، میں ایسے لوگوں کو جانتا ہوں کہ اگر ان کا کسی نہ کسی مذہبی تنظیم میں خوش دلی سے خیر مقدم نہ ہوتا تو ان کی زندگیاں ویران اور بے یار و مددگار ہوتیں۔ مجھے کم و بیش تمام مذہب کی بچی کھچی غیر منطقیت کے اظہار پر افسوس ہوتا ہے، تاہم میں ریاست کو بھی مددگار اور تسلی بخش کردار ادا کرتے ہوئے نہیں پاتا ہوں، لہذا جب تک سیکولر تنظیمیں انسانیت کے فریضے سے عہدہ برآ نہیں ہوں گی، تب تک میں چرچوں کے منظر سے غائب کیے جانے کے حق میں نہیں ہوں۔ اس کی بجائے میں مذہبی تنظیموں کو ایسی شکل میں تبدیل کرنے میں تعاون کروں گا جو کھلی لغویات سے غیر منطقی اور لازمی طور پر غیر مخلصانہ طور پر نہ چمٹے ہوئے ہوں۔

ایسے حلقے بھی موجود ہیں جو اس بالغ نظری کے حصول میں کامیاب ہو چکے ہیں، میں ان کی ستائش کرتا ہوں۔ ان معاملات پر رچرڈ اور سیم کی رائے مختلف ہے، اور ہم ایک دوسرے سے اپنے اختلاف رائے کا اظہار کرنے سے نہیں ہچکچاتے، لیکن یہ سب اختلافات، جہاں تک میں جانتا ہوں، احترام کی حدود میں اور تعمیری ہیں۔ جو شخص بھی ہمارے مکالمے میں یکسانیت یا سیاسی وجوہ سے دبائے گئے تضاد کی تلاش کرنا چاہے گا اسے خالی ہاتھ لوٹنا پڑے گا۔ ہم پر جب اپنا 'عقیدہ'، اپنا 'مذہب' رکھنے کا الزام لگایا جاتا ہے تو ہمیں ہنسی آتی ہے۔ یہ گویا یہ کہنے کے مترادف ہے: 'آپ ملحد لوگ بھی اتنے ہی غیر معقول ہیں جتنے ہم مذہبی ہیں!'... جب کہ ہمارا واحد مشترکہ عقیدہ جس کی نشاندہی کی جا سکتی ہے وہ سچائی، ثبوت اور دیانتدارانہ دلیل پر ہمارا یقین ہے۔ یہ اندھا عقیدہ نہیں ہے بلکہ اس کے بالکل برعکس ہے: یہ وہ عقیدہ ہے جس کی مسلسل جانچ، تصحیح ہوتی ہے اور ہمارے حواس اور عقل عامہ کی شہادت سے اس کا دفاع کیا جاتا ہے۔ کسی بھی مذہب کے مبلغین کے برعکس، ہم اپنے ذریعے دفاع کردہ دعووں

---

[1] کرسٹوفر ہچنز، God Is Not Great: How Religion Poisons Everything (نیویارک، ٹویلو بکس، 2007)

کو ثابت کرنے کا بار بخوشی قبول کرتے ہیں، اور ہم کبھی کسی مقدس متن یا چرچ کے بیان کو اپنے دعوے کی سچائی کی دلیل کے طور پیش نہیں کرتے۔

درصحبتِ خوباں

سیم ہیرس

جب سے پرنٹ میں 'نو ملحدین' کی اصطلاح رائج ہوئی ہے، تبھی سے میں نے پایا ہے کہ رچرڈ ڈاکنز، ڈینیئل ڈینیٹ اور کرسٹوفر ہچنز کے ساتھ ساتھ مجھے بھی لائقِ ستائش گردانا جارہا ہے اور لائقِ تنقید بھی۔ یہ کہنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے کہ مجھے اس نسبت نے بہت اعزاز بخشا ہے۔ تاہم اس سے ایک غلط تاثر یہ پیدا ہوا ہے کہ گویا ہم شخصی طور پر مل کر منصوبہ بندی کرتے ہیں۔ اگرچہ ہم میں سے دو یا تین کبھی کبھی کسی کانفرنس یا تقریب میں مل بیٹھتے ہیں تاہم جو کتاب اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے وہ اس واحد مکالمے پر مبنی ہے جو ہم چاروں کے درمیان ہوا تھا۔

2011 میں کرسٹوفر کا انتقال ہو گیا۔ اس سے یہ دستاویز خصوصی اہمیت کی حامل ہو جاتی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حالیہ برسوں میں ان کی عدم موجودگی کو شدت سے محسوس کیا گیا۔ اتنی بار کہ میں گن بھی نہیں سکتا۔ اجنبی لوگ مجھ سے آ آ کر کہتے، 'مجھے ہچ کی یاد آتی ہے۔' ان کے یہ الفاظ ہمیشہ استدلال یا خوش ذوقی پر حملے کی کسی تازہ واردات کے تناظر میں کہے جاتے۔ یہ تب کہے جاتے جب کوئی بدمعاش بغیر چیلنج کے مسکراتا ہوا گزر جاتا خواہ وہ دائیں بازو کا ہو یا بائیں بازو کا۔ یہ الفاظ خطرناک حد تک پیش پا افتادگی یا جھوٹ کے سامنے بغیر اثر پذیری کی کسی امید کے ایک قسم کا منتر بن گئے ہیں۔ اکثر مجھے ان میں ملامت کی زیریں ترنگ محسوس ہوتی ہے، جو بسا اوقات ارادی ہوتی ہے۔

میں بھی ہچ کی کمی کو محسوس کرتا ہوں۔ تاہم میں یہاں مزید کسی مدح سرائی سے گریز کروں گا۔ ایک وقت بہر حال آنے والا ہے جب ہم میں سے باقی لوگ بھی یہ اسٹیج چھوڑ چکے ہوں گے۔ میرا خیال ہے کہ ہمارے جانے کے بعد بھی ہماری اس گفتگو کا ریکارڈ باقی رہے گا۔ ہمیں اس کو فلمانے کا خیال آخری لمحات میں آیا تھا۔ مجھے بہت خوشی ہے کہ ہم نے اسے فلمایا۔

رچرڈ، ڈین، کرسٹوفر اور مجھ سے ایک چار سروں والے ملحد کی حیثیت سے سلوک کیا جانا ہمیشہ ہماری کسی بات پر زور اور رائے کے اہم اختلافات کو حذف کرتا رہا ہے، تاہم اہم نکات پر یہ کافی حد تک مناسب بھی تھا: کیا اچھی وجوہ اور بری وجوہ کی بنا پر چیزوں پر یقین کرنے میں کوئی فرق ہوتا ہے؟ کیا سائنس اور مذہب اس فرق میں تمیز کرنے کے لحاظ سے مختلف ہیں؟ بحث کو اس طرح پیش کرنے سے وہ شروع ہونے سے پہلے ہی ختم ہو جاتی ہے۔

ہماری دلچسپیاں خواہ کتنی ہی الگ ہوں، ہم میں سے ہر ایک اس بات سے بخوبی واقف تھا کہ مذہبی دقیانوسیت ایماندارانہ جستجوئے علم کی ترقی میں

اس ترجمے کی اشاعت translationsproject.org پر کی گئی جہاں یہ مفت دستیاب ہے

رکاوٹ ہے اور انسانیت کو بغیر کسی اہم مقصد کے بانٹ رہی ہے۔ آخر الذکر بلاشبہ ایک خطرناک ستم ظریفی ہے کیوں کہ مذہب کی سب سے بڑی مزعومہ طاقت یہ ہے کہ یہ لوگوں کو متحد کرتا ہے۔ یہ ایسا بھی کرتا ہے، لیکن عام طور پر قبائلیت کو بڑھاوا دے کر اور اخلاقی خوف پیدا کر کے جو کسی اور صورت میں نہیں پنپ سکتے۔ یہ بات کہ سمجھ دار مرد و خواتین اکثر خدا کی خاطر بھلائی کے کام کرتے ہوئے پائے جاتے ہیں کوئی جواب دعوی نہیں کیوں کہ مذہب انھیں اچھا کام کرنے کی خراب وجوہ دیتا ہے۔ یہی وہ نکات ہیں جو ہم چاروں نے بار بار اٹھائے، خواہ اس پر تالی پیٹی جائے یا سکوت کا مظاہرہ کیا جائے۔

سچائی یہ ہے کہ عیسائیوں، مسلمانوں اور یہودیوں کے ہاں جس عالم کل، قادر کل اور رحمان و رحیم خدا کا تصور پایا جاتا ہے اس پر یقین کے دروازے بند کرنے کے لیے بہت کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کوئی بھی سا اخبار کھولیے، آپ کو کیا ملتا ہے؟

آج برازیل میں مائیکرو سیفلی [دماغی بیماری] کے ساتھ دو جڑواں بچیاں پیدا ہوئیں۔ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ ان کی ماں کو زیکا وائرس کے حامل ایک مچھر نے کاٹا تھا– جسے رحیم خدا ہی نے تخلیق کیا تھا۔ اس وائرس کے بہت سے ناخوشگوار اثرات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس سے متاثر ہونے والی بدقسمت عورت کی اولاد چھوٹے سر، چھوٹے دماغ اور چھوٹی زندگی والی پیدا ہوتی ہے۔

خود اس عورت کا تصور کریں جو چند ماہ پہلے اپنی استعداد کے مطابق اپنی بچیوں کی اچھی زندگی کی خاطر سب کچھ کر رہی تھی۔ وہ کہاں کام کرتی ہے؟ ایک کارخانے میں۔ وہ کتنی بار خدا کو یاد کرتی ہے؟ بلاشبہ روزانہ۔

لیکن اس نازک لمحے میں جب کہ وہ سو رہی تھی، شاید وہ ایک ایسی دنیا کا خواب دیکھ رہی تھی جو اس دنیا سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔ تصور کیجیے ایک واحد مچھر اس کی کھلی کھڑکی سے کمرے میں آجاتا ہے۔ تصور کیجیے کہ وہ اس کے بازو پر بیٹھ رہا ہے۔ کیا ایک قادر کل، عالم کل خدا جو سب پر مہربان ہے اس عورت کا معمولی سا دفاع نہیں کرے گا؟ بالکل نہیں۔ مچھر نے اپنی سوئی سے زیادہ تیز سونڈ سے اس کی جلد کو چھید دیا۔ اس موقع پر ایمان والے کس بات پر یقین کریں گے؟ یہاں شک پیدا ہوتا ہے کہ اگر خدا واقعی موجود ہوتا تو اتنا غیر متوجہ نہ ہوتا۔

تو گویا اس ننھی سی آفت کو روکنے والا کوئی بھی نہ تھا، جو اس پورے سلسلے سے ہوتا ہوا یہاں تک پہنچا ہے جو تقریباً 200 ملین سال سے بیماری پھیلا رہا ہے، وہ اس معصوم عورت کا خون پینے کے بعد بدلے میں اس کی ان جنمی بچیوں کی زندگیاں تباہ کر دیتا ہے۔

اس ایک ہی معاملے کے حقائق مذہبی مغزپاشی اور علتوں کی پوری کی پوری لائبریریاں ادھیڑ کے رکھ دیتے ہیں۔ تاہم ابھی دہشت کی یہ کہانی جاری ہے۔ تصور کیجیے کہ اگلی صبح وہ عورت اٹھتی ہے اور اپنے بازو پر ننھے سانشان دیکھ کر نظر انداز کر دیتی ہے جو جلد ہی اس کی زندگی میں کو شدید بحران سے دوچار کرنے والا ہے۔ شاید اس نے زیکا وائرس اور اس کے پھیلنے کے بارے میں سن رکھا ہے۔ اب اس کی دعاؤں میں ایک خاص جوش پیدا ہو جاتا ہے، لیکن کیا فائدہ؟ کیا ایمان کی بے محل تسلیاں کسی ایسے خدا کی عبادت کی ستم ظریفی سے زیادہ قدر و قیمت رکھتی ہیں جو ایسا بے بس یا شریر یا، حقیقتاً، خیالی ہے؟

خدا کی غیر موجودگی میں، ہمیں امید اور تسلی کے حقیقی منابع ملتے ہیں۔ آرٹ، ادب، کھیل، فلسفہ اور تخلیقی صلاحیتوں اور غور و فکر کی دیگر شکلوں سے لطف اندوز ہونے کے لیے جہالت یا جھوٹ کی ضرورت نہیں۔ اور پھر دوسری طرف سائنس ہے جو اپنے داخلی فیوض کے علاوہ، مذکورہ

معاملے میں رحمت کا اصل منبع ہے۔ جب زیکا کا کوئی ٹیکا یا علاج بالآخر ڈھونڈ نکالا جائے گا جو ایسی ان ہونی آفت اور موت سے بچائے گا تو کیا ایمان والے اس پر بھی خدا کا شکر ادا کریں گے؟

بلاشبہ وہ وہ کریں گے۔ اسی لیے یہ گفتگوئیں بھی جاری رہنی چاہئیں۔۔۔

چار شہسوار: ایک مکالمہ

رچرڈ ڈاکنز، ڈینیئل سی ڈینیٹ، سیم ہیرس، کرسٹوفر ہچنز

واشنگٹن ڈی سی – 30 ستمبر 2007

اس ترجمے کی اشاعت translationsproject.org پر کی گئی جہاں یہ مفت دستیاب ہے

حصہ I

رچرڈ ڈاکنز: ایک چیز جس کا سابقہ ہم سب کو پڑتا رہا ہے وہ یہ الزام ہے کہ ہم ہٹ دھرم، گھمنڈی، مخاصمت رکھنے والے یا چرب زبان واقع ہوئے ہیں۔ اس کے بارے میں ہمارا کیا سوچنا ہے؟

ڈینیل سی ڈینیٹ: جی ہاں۔ بالکل درست کہا۔ مجھے اس پر ہنسی آتی ہے، بلکہ اس پر میں اپنی کتاب میں معقول مذہبی افراد سے تخاطب کے اپنے معمول کے طریقے سے بھی ہٹ گیا تھا،[1] میں نے اس مسودے کو طلبا کے ایسے گروہوں کے ساتھ جانچا جو بہت مذہبی تھے۔ اور پہلے مسودے پر خاصا غصہ پایا گیا۔ لہٰذا میں ترمیم پر ترمیم کرتا چلا گیا، تاہم اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوا، مجھے پھر بھی گستاخ اور جارح کہا گیا اور سخت نکتہ چینی کا سامنا کرنا پڑا۔ تب مجھے احساس ہوا کہ یہ ایک ایسی صورت حال ہے جس میں کوئی نہیں جیت سکتا۔ یہ کارِ لاحاصل ہے۔ مذاہب نے ایسی سازش کر رکھی ہے کہ ان کے ساتھ گستاخی کیے بغیر ان پر تنقید کرنا اور عدم اتفاق رکھنا ناممکن ہے۔

ڈاکنز: گستاخی کیے بغیر۔

ڈینیٹ: ہر موقع پر وہ 'دل آزاری کا کارڈ' کھیلتے ہیں، اور آپ کو چننا پڑتا ہے کہ یا تو گستاخی کریں؟ یا پھر—

ڈاکنز: سرے سے کچھ بولیں ہی نہیں، ہے نا۔

ڈینیٹ: کھل کر اپنی تنقید کریں؟ یعنی یا تو میں اسے بیان کر دوں یا اپنے ہونٹ سی لوں، اور—؟

سیم ہیرس: شجر ممنوعہ کے قریب جانے سے یہی تو ہوتا ہے۔ میرے خیال میں ہم سب اس حقیقت کا سامنا کر رہے ہیں کہ مذہب نے کسی طرح باقاعدہ طریقے سے، جیسا کہ ہم مشاہدہ کر رہے ہیں، عقلی تنقید کے منظر نامے سے، ہمارے ساتھی سیکولر نوازوں اور ملحدوں کے ذریعے بھی، دوری بنا رکھی ہے۔ اس سے لوگ اپنی اوہام پرستی میں مست رہتے ہیں۔ اگر یہ غلط اور نقصان دہ بھی ہو تب بھی گویا اس کا زیادہ قریب سے معائنہ مت کرو۔

ڈینیٹ: بالکل، یہی میری ایک چھوٹی سی کتاب کا اہم نکتہ تھا۔ یہ ایک ایسا طلسم ہے جسے ہمیں توڑنا ہو گا۔

---

[1] ڈینیئل سی ڈینیٹ، *Breaking the Spell: Religion as a Natural Phenomenon* (نیویارک: وائکنگ اڈلٹ, 2006)

کرسٹوفر ہچنز: تاہم اگر عوامی ڈسکورس میں دل آزاری کے عمومی الزام پر بحث کی اجازت دی جائے تو خود پر کڑھے بغیر مجھے لگتا ہے کہ ہمیں کہنا چاہیے کہ ہماری بھی دل آزاری اور توہین ہو سکتی ہے۔ میرا مطلب ہے کہ میں محض طارق رمضان[1] جیسے شخص سے ہی اختلاف نہیں رکھتا جنھیں آکسفورڈ یونیورسٹی جیسے اعلیٰ پلیٹ فارم پر ترجمان کی حیثیت سے قبول کیا گیا ہے، جب وہ کہتے ہیں کہ خواتین کو سنگسار کیے جانے کے معاملے پر زیادہ سے زیادہ وہ عارضی روک لگانے کا مطالبہ کر سکتے ہیں۔ مجھے یہ بات کہیں زیادہ پریشان کن لگتی ہے۔ نہ صرف اہانت آمیز بلکہ دھمکی آمیز بھی۔

ہیرس: لیکن آپ ناراض نہیں ہوئے۔ میں آپ کو معاملات کو دل پر لیتے ہوئے نہیں دیکھ رہا ہوں، رمضان کی طرح۔ سوچنے کے بعض طریقوں کے عواقب سے آپ گھبرا گئے ہیں۔

ہچنز: ہاں، لیکن وہ کہیں گے، یا ان جیسے لوگ کہیں گے، کہ اگر میں پیغمبر محمد کی تاریخی حقیقت پر شک کروں تو اس سے ان کے قلبی جذبات مجروح ہوتے ہیں۔ یقیناً اس بات سے میری، یا میرے خیال سے، تمام لوگوں کی دل آزاری ہونی چاہیے، کم از کم ان کے ضمیر کو اس مذہبی مزعومے سے ضرور دکھ پہنچنا چاہیے کہ ایک فوق الفطرت، آسمانی حاکمیت کے بغیر ہم غلط اور صحیح کی تمیز نہیں کر پائیں گے۔

ہیرس: لیکن سوال یہ ہے کہ کیا واقعی اس سے آپ کی دل آزاری ہوتی ہے؟ کیا یہ آپ کو غلط نہیں لگتا؟

ہچنز: نہیں سیم، میں بس یہ کہتا ہوں کہ اگر عمومی طور پر دل آزاری کا الزام لگانا ہے اور اس کی میڈیا کے ذریعے ثالثی کرنی ہے تو، میں سمجھتا ہوں ہمیں بغیر کڑھے یا خود کو مظلوم اقلیت کا نمائندہ سمجھتے ہوئے یہ الزام ان پر عائد کرنے کا اتنا ہی حق حاصل ہے۔ میں مانتا ہوں کہ یہ ایک الٹا خطرہ ہے۔ واضح رہے، میں ڈینیئل کی اس بات سے بھی اتفاق کرتا ہوں کہ ایسا کوئی راستہ نہیں ہے جس سے ہمارے اوپر لگائے جانے والے الزام سے پوری طرح بچا جا سکے، کیوں کہ ہم جو کہتے ہیں وہ کسی بھی سنجیدہ مذہبی فرد کے اندرون تک کو جھنجھوڑ دیتا ہے۔ مثال کے طور پر ہم یسوع کی الوہیت سے انکار کرتے ہیں۔ بہت سے لوگ اس سے شدید صدمے اور ممکنہ طور پر رنج میں مبتلا ہو جائیں گے۔ یہ ان کے لیے بڑی خراب بات ہے۔

ڈاکنز: مجھے مذہب کی حسِ دل آزاری اور ان افراد کی حسِ دل آزاری کے درمیان فرق سے بڑی حیرت ہوتی ہے جو ہر شے سے ناراض ہو بیٹھتے ہیں۔ جیسے موسیقی کا ذوق، آرٹ کا ذوق، سیاست کا ذوق۔ آپ پوری طرح اتنے گستاخ نہیں ہو پاتے جتنا آپ ہو سکتے ہیں لیکن آپ ایسی چیزوں پر بہت زیادہ گستاخ ہو سکتے ہیں۔ میں اس کی مقدار ناپنا چاہوں گا، بلکہ اس پر ضرور تحقیق کروں گا۔ لوگوں کی جانچ ان کی پسندیدہ

---

[1] طارق رمضان (پیدائش 1962): سوئس اسلامی دانش ور اور مصنف؛ آکسفورڈ یونیورسٹی میں عصری اسلامی علوم کے پروفیسر

اس ترجمے کی اشاعت translationsproject.org پر کی گئی جہاں یہ مفت دستیاب ہے

فٹ بال ٹیم ، ان کی پسندیدہ موسیقی ، اور کسی بھی چیز سے متعلق بیان کے ذریعہ کروں گا اور دیکھوں گا کہ وہ دل آزاری سرزد ہونے تک کتنا برداشت کر پاتے ہیں۔ کیا اس سلسلے میں اور بھی چیز ہے یہ پوچھنے کے علاوہ کہ آپ کا چہرہ کتنا بدصورت ہے [قہقہہ] اس سے ایسی...

ہچنز: یا آپ کے شوہر یا بیوی کے یا گرل فرینڈ کے چہرے۔ آپ کا یہ ذکر دلچسپ ہے کیوں کہ اکثر میں کیتھولک لیگ کے بل ڈونوہو نامی خوف ناک آدمی سے باقاعدگی سے بحث کرتا ہوں[1] اور وہ واقعی جدید آرٹ کے کچھ رجحانات سے سچے دل سے ناراض ہیں، ان کے نزدیک یہ آرٹ کفر کا ارتکاب کر کے اپنی طرف مبذول کراتا ہے۔

ہیرس: پس کرائسٹ۔

ہچنز: ہاں، مثال کے طور پر سیر انو کا پِس کرائسٹ[2] یا کنواری مریم پر ہاتھی کا گوبر۔[3] اور میں واقعی سمجھتا ہوں کہ یہ بہت ضروری ہے کہ ہم سوفکلیز اور دوسرے ماقبل توحید پرستوں کے ساتھ بے حرمتی یا دریدہ دہنی سے برأت کا اشتراک کریں۔ کہ ہم گرجا گھروں کی بے حرمتی نہیں کرنا چاہتے۔

ڈاکنز: نہیں، واقعی نہیں۔

ہچنز: مذہبی شبیہیں ردی کی ٹوکری میں ڈالی گئیں ہیں، اور اسی طرح کے دل آزار کام انجام دیے گئے ہیں۔ کم از کم ہم بھی مذہب کے بعض جمالیاتی کارناموں کی تعریف تو کرتے ہی ہیں۔

ہیرس: میرے خیال میں ہماری تنقید دراصل اس سے کہیں زیادہ خاردار ہے۔ ہم محض لوگوں کو ناراض نہیں کرتے بلکہ انھیں یہ بھی بتاتے ہیں کہ ان کا ناراض ہونا حق بجانب نہیں ہے۔

سب: ہاں۔

ہیریس: جب فزکس پر ماہرین فزکس کے خیالات کی تردید کی جاتی ہے یا انھیں چیلنج کیا جاتا ہے تو وہ ناراض نہیں ہوتے۔ عقل پسند ذہنوں کا یہ شیوہ نہیں ہے، اگر وہ واقعی یہ جاننے کی کوشش کر رہے ہوں کہ دنیا میں سچ کیا ہے۔ مذاہب حقیقت کی نمائندگی کرنے کا دعوی کرتے ہیں اس کے باوجود ان نظریات کو چیلنج کرنے پر ایسا چڑچڑا، قبائلی اور خطرناک ردعمل دیکھنے کو ملتا ہے۔

---

[1] بل ڈونوہو (پیدائش 1947): امریکی ماہر معاشیات۔ مذہبی و شہری حقوق کے لیے کیتھولک لیگ کے صدر۔

[2] انڈریس سیر انو (بی۔1950): امریکی فنکار اور فوٹو گرافر

[3] برطانوی مصور کرسٹوفر اوفیلی (پیدائش 1968) کی 'دی ہولی ورجن میری' (1996)

ڈینیٹ: ہاں، اور کسی کے پاس کسی کو شائستگی سے یہ کہنے کا طریقہ نہیں۔

ہیرس: کہ 'آپ نے اپنی زندگی ضائع کر دی ہے!'

ڈینیٹ: '۔ کیا آپ کو احساس ہے کہ آپ نے اپنی زندگی ضائع کر دی ہے؟ کیا آپ کو احساس ہے کہ آپ نے اپنی ساری کاوشوں اور اپنے سارے اسباب کو کسی ایسی چیز کی عظمت کے لیے وقف کر دیا ہے جو صرف ایک افسانہ ہے؟' یہاں تک کہ اگر آپ کہتے ہیں، 'کیا آپ نے اس امکان پر بھی غور کیا ہے کہ غالباً آپ نے اس نظریے پر اپنی زندگی ضائع کر دی؟' یہ کہنے کا کوئی ایسا طریقہ نہیں جو دل آزاری پر منتج نہ ہوتا ہو۔ تاہم ہمیں کہنا ہی پڑتا ہے، کیوں کہ انھیں بخوشی اس پر غور کرنا چاہیے۔ بالکل اسی طرح جس طرح ہم اپنی زندگیوں پر کرتے ہیں۔

ڈاکنز: ڈین بارکر[1] پادریوں کے ایک ایسے مجموعے پر کام کر رہے ہیں جنھوں نے اپنا ایمان کھو دیا ہے تاہم ان میں اس کا اعتراف کرنے کی جرأت نہیں ہے کیوں کہ یہی ان کا واحد ذریعہ معاش ہے۔ صرف یہی ایک کام ہے جو انھیں آتا ہے۔

ہیرس: ہاں، میں نے ان میں سے کم از کم ایک کے بارے میں سنا ہے۔

ڈاکنز: آپ نے سنا ہے؟

ہچنز: جب میں کم عمر تھا تو میری کمیونسٹ پارٹی کے ممبروں سے بحث ہوا کرتی تھی۔ انھیں کچھ کچھ اندازہ تھا کہ سوویت یونین کے دن لد چکے ہیں۔ ان میں سے بہت سارے افراد نے اسے زندہ رکھنے کے لیے جو ان کے خیال میں ایک عظیم آئیڈیل تھا بڑی تکلیفیں اٹھائی تھیں، بڑی قربانیاں دی تھیں اور مردانہ وار جدوجہد کی تھی۔ ان کی طاقت کا سرچشمہ سوکھ چکا تھا لیکن وہ اسے ترک نہیں کر سکے کیوں کہ اس میں بھی اسی طرح کی شکست ہوتی لیکن یقینی طور پر، اگر کوئی مجھ سے کہتا، 'آپ سوویت یونین کے بارے میں ان سے یہ کیسے کہہ سکتے ہیں؟ کیا آپ نہیں جانتے کہ اس سے آپ انھیں رلا دیں گے اور ان کے جذبات کو ٹھیس پہنچائیں گے؟' میں کہتا، لغو بات مت کرو۔ بے ہودہ مت بنو۔' تاہم، مجھے یہ بہت سے معاملات میں لگ بھگ ایک جیسی دلیل لگتی ہے۔

ڈینیٹ: جب لوگ مجھے یہ کہتے ہیں کہ میں گستاخ، شریر اور انتہائی جارح ہوں، تو میں کہتا ہوں 'اگر میں یہ باتیں دواسازی کی صنعت یا تیل کے مفادات کے بارے میں کہوں تو کیا تب بھی یہ گستاخی ہوگی؟ کیا یہ حدود تجاوز کرنا ہوگا؟ بالکل نہیں۔'

---

[1] ڈینیئل بارکر (پیدائش 1949): امریکی ملحد کارکن اور سابق عیسائی مبلغ۔ آزادی مذہبی فاؤنڈیشن کے مشترکہ صدر۔ ڈین بارکر کے مجموعے سے بعد میں 'دی کلرجی پروجیکٹ' کی بنیاد رکھی گئی۔ دیکھیے: https://en.wikedia.org/wiki/The_Clergy_Project

اس ترجمے کی اشاعت translationsproject.org پر کی گئی جہاں یہ مفت دستیاب ہے

ڈاکنز: یقیناً۔ ایسا نہیں ہو گا۔

ڈینیٹ: تو میں چاہتا ہوں کہ جو رویہ ہم ادویہ سازی اور تیل کی صنعت کے ساتھ اپناتے ہیں وہی رویہ مذہب کے ساتھ بھی اپنایا جائے۔ میں دوا ساز کمپنیوں کے خلاف نہیں ہوں۔ میں ان کے بعض کاموں کے خلاف ہوں۔ تاہم میں مذاہب کو ان کے ساتھ ایک ہی سطح پر رکھنا چاہتا ہوں۔

ہچنز: ان کو ٹیکس کی چھوٹ نہ دینے، یا برطانوی معاملے میں، ریاستی سبسڈی دینے سمیت۔

ڈینیٹ: ہاں۔

ڈاکنز: مجھے حیرت ہے کہ دوسری چیزوں کے مقابلے میں مذہب کو یہ دلکش حیثیت کس طرح حاصل ہو گئی۔ کسی نہ کسی طرح ہم سب اس کے فریب میں آ گئے ہیں، خواہ ہم مذہبی ہوں یا نہیں۔ اور کسی تاریخی عمل سے مذہب کو یہ تحفظ حاصل ہو گیا ہے، یہ دل آزاری کی شدید حس جو بس مذہب کو حاصل ہے۔

ڈینیٹ: آخر میں مجھے جو چیز خاص طور پر دلچسپ لگتی ہے — پہلے پہل تو میں اس سے سخت مشتعل ہو گیا تھا، لیکن اب یہ میرے لیے دلچسپی کا باعث ہے — وہ یہ کہ انھوں نے غیر مذہبی افراد کی ایک پوری فوج کی فہرست بنا رکھی ہے جو ان کی جانب سے ناراض ہونے کا فریضہ ادا کرتے ہیں۔

ڈاکنز: اور وہ بھی کیسے کیسے!

ڈینیٹ: دراصل، میری کتاب پر سب سے شدید تبصرے ایسے افراد نے کیے ہیں جو خود مذہبی نہیں ہیں لیکن انھیں ان افراد کے جذبات مجروح ہونے کا زبردست خوف ہے جو مذہبی ہیں، اور وہی لوگ مجھے مذہبی لوگوں سے زیادہ پھٹکارتے ہیں۔

ڈاکنز: بالکل، یہی میرا بھی تجربہ ہے۔

ہیرس: اور میرے خیال میں آپ میں سے کسی نے اشارہ کیا تھا کہ یہ نقطہ نظر کس قدر مربیانہ ہوتا ہے۔ یہ گویا عقوبت خانے کے تصور جیسا ہے: دوسرے افراد کو ان کی ضرورت ہے، اس لیے ہمیں جرائم پر محفوظ طریقے سے پردہ ڈالے رکھے رہنا چاہیے۔

اس سوال کا ایک جواب ہے جو آپ تینوں سے میرے نقطہ نظر کے ایک فرق کو واضح کر سکتا ہے۔ میں اب ابھی بہت سے ملحدوں کو پریشان کرنے کی حد تک اور اپنی بھنویں تانے بغیر 'روحانی' اور 'صوفیانہ' جیسے الفاظ استعمال کرتا ہوں۔ میرے خیال میں بہت سارے تجربے موجود ہیں جو نادر ہیں اور ان پر صرف مذہبی ڈسکورس میں بغیر کسی ظاہری خلش کے بات ہوتی ہے۔ اور چونکہ اس کے بارے میں صرف مذہبی ڈسکورس میں گفتگو ہوتی ہے، تو یہ توہم پرستی سے بھرا ہوا ہے، جسے مختلف مابعد الطبیعاتی حالتوں کے جواز پیش کرنے کے

لیے استعمال کیا جاتا ہے– جس کی معقول توضیح یہ پیش نہیں کر سکتے۔ لیکن واضح طور پر لوگوں کے ساتھ غیر معمولی واقعات پیش آتے ہیں، چاہے وہ تجربات انھیں ایل ایس ڈی کے نشے کے زیر اثر ہوں یا پھر کسی غار میں ایک سال تک گوشہ تنہائی اختیار کرنے پر، یا اس کی وجہ ان کا اعصابی نظام ہی ہو جو غیر مستحکم ہو چکا ہو۔ لوگوں کو ایسے خود سے بالا تجربات پیش آتے ہیں، ان تجربات کے بارے میں گفتگو کرنے کے لیے لے دے کے صرف مذہب ہی بچتا ہے اور انھیں توقیر بخشتا ہے۔ لہٰذا یہ ایک وجہ ہے کہ اس پر نکتہ چینی کرنا ممنوع ہے، کیوں کہ ہم لوگوں کی زندگی کے اہم ترین لمحوں کے بارے میں بات کر رہے ہوتے ہیں اور ہم انھیں کم از کم ان کے نقطہ نظر سے، ردی کی ٹوکری میں ڈالتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔

ڈاکنز: مجھے یہ کہنے کے لیے آپ سے اتفاق کرنے کی ضرورت نہیں ہے، سیم، کہ یہ بہت اچھا ہے کہ آپ اس طرح کی بات کہہ رہے ہیں۔ کیوں کہ یہ ظاہر کرتا ہے، جیسا کہ آپ نے کہا، کہ روحانیت پر بات کرنے کے لیے واحد مذہب ہی نہیں ہے۔ جس طرح کسی کو سیاسی دائیں بازو سے لینا جو کہ ملحد ہو، ایک اچھا خیال ہے، کیوں کہ بصورت دیگر اقدار کی الجھن پیدا ہو گی، جو ہمارے کسی کام کی نہیں، دیگر میدانوں میں یہ تنوع پایا جانا کہیں زیادہ بہتر ہے۔ تاہم مجھے لگتا ہے کہ میں آپ سے کسی حد تک متفق ہوں، اگر اتفاق نہ بھی کروں تب بھی میرے خیال میں یہ ایک قابل قدر خیال ہے۔

ہچنز: اگر ہم صرف اور صرف ایک تبدیلی کر سکتے تو میری طرف سے یہ روحانیت (numinous) کو مافوق الفطرت سے ممتاز کرنا ہوتا۔ سیم آپ نے اپنے بلاگ پر جینوم کے بنیاد گزار فرانسس کولنز کا ایک مقولہ نقل کیا تھا[1] جنھوں نے کہا تھا کہ ایک بار کوہ پیمائی کرتے ہوئے وہ شان دار منظر سے ایسے مغلوب ہوئے کہ اپنے گھٹنوں کے بل بیٹھ کر یسوع مسیح کی عظمت کا اعتراف کیا۔[2] ایک پوری طرح غیر منطقی عمل۔

ہیرس: بالکل۔

ہچنز: یہ کسی نے نہیں کہا کہ یسوع مسیح نے زمین کی تخلیق کی ہے اور اس کی تزئین کا کام انجام دیا ہے۔

ہیرس: تین ندیوں کے منجمد آبشار سے انھیں تثلیث کا خیال آ گیا تھا۔

ہچنز: بالکل! ہم سب کسی نہ کسی طرح تثلیث کے حامل ہیں۔ ہم اس کے لیے پروگرام کیے گئے ہیں۔ یہ بات بہت واضح ہے۔ چار سر والا خدا ہو ہی

---

[1] فرانسس کولنز (پیدائش 1950): امریکی ماہر جینیات اور طبیب؛ نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف ہیلتھ، بیتھیسڈا، ایم ڈی کے ڈائریکٹر

[2] https: //www.samharris.org/blog/item/the-strange-case-of-francis-collins

اس ترجمے کی اشاعت translationsproject.org پر کی گئی جہاں یہ مفت دستیاب ہے

نہیں سکتا۔[قہقہہ] آپ یہ بات اپنے تجربے سے جانتے ہیں۔

لیکن یہ امتیاز کر پانا بہت بڑی بات ہو گی، اور مجھے لگتا ہے کہ اس سے لوگوں کی بہت ساری الجھنوں کا خاتمہ ہو جائے گا—یہ کہ ہمارے جذبات، یعنی ہماری شخصیتوں کی اضافی قدر میں جو کچھ ہے وہ ہمارے ارتقا کے لیے خاص طور پر کارآمد نہیں ہے۔ یا ہم یہ ثابت نہیں کر سکتے کہ وہ کارآمد ہیں۔ تاہم یہ ہم سب سے وابستہ ہیں۔ ان کا تعلق مافوق الفطرت سے نہیں ہے اور کسی مذہبی پیشوا کے ذریعے جبراً جوڑنے اور ختھی کرنے سے نہیں ہے۔

ڈینیٹ: یہ امر افسوسناک ہے کہ لوگ ایک لحاظ سے اپنے ان بے مثال روحانی تجربات کی قدر پر اعتماد نہیں کریں گے۔ ان کا خیال ہے کہ یہ اتنا اچھا تجربہ نہیں، الا یہ کہ یہ خدا کی جانب سے ہو، الا یہ کہ یہ مذہب کا کوئی ثبوت ہو۔ نہیں، یہ اتنا ہی شان دار ہوتا ہے جتنا کہ یہ لگتا ہے یہ آپ کی زندگی کا بہترین لمحہ ہوتا ہے، یہ وہ لمحہ ہوتا ہے جب آپ خود کو بھول جاتے ہیں اور اس سے کہیں بہتر ہو جاتے ہیں جو آپ نے کبھی سوچا تھا، اور آپ اپنی پوری عاجزی کے ساتھ فطرت کی کرشمہ سازیوں کا مشاہدہ کرتے ہیں۔ کیا بات ہے! اور کیا ہی عظیم الشان ہے۔ لیکن یہ کہنے سے اس میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا کہ 'واہ، یہ تجربہ اور بھی شان دار ہوتا اگر یہ کسی نے مجھے عطا کیا ہوتا۔'

ڈاکنز: یہ ہائی جیک ہو گیا، ہے نا؟

ہچنز: میرے خیال میں یہ بھی واضح طور پر انسانی شخصیت کا ایک نقص یا خامی ہے۔ چونکہ مذہب اس سے یہ بات بہ تکرار کہتا ہے کہ وہ کتنا عاجز ہے، کتنا حقیر ہے، اور کس حد تک ایمان لاتا ہے، خود اپنی ذات کی نفی کی حد تک۔ لیکن حقیقت میں یہ ان لمحوں کے لیے غیر معمولی طور پر متکبرانہ دعوے کرتا ہے۔ اس کا کہنا ہے، 'مجھے اچانک احساس ہوا کہ کائنات تمام تر میرے بارے میں ہے۔ اور پھر میں نے انتہائی عاجزی محسوس کی۔' چھوڑو بھئی! مجھے یقین ہے کہ ہم لوگوں پر ہنس سکتے ہیں۔ اور میرے خیال میں ضرور ہنسنا چاہیے۔

ڈینیٹ: اور میں یہ سنتے سنتے اوب چکا ہوں کہ 'کاش پروفیسر ڈینیٹ فلاں فلاں بات پر عاجزی اختیار کرتے' اور عاجزی، اور عاجزی۔[قہقہہ] اور یہ بات ان لوگوں کی طرف سے کہی جاتی ہے جن کا گھمنڈ بہت زیادہ ہے۔

ہچنز: وہ ایک دوسرے کو یہ کہہ کر دھکا مارتے ہیں، 'برا مت ماننے، میں خدا کا کام کر رہا ہوں۔' یہ کتنی منکسرانہ بات ہے؟

ہیرس: یہی وہ نقطہ ہے جس پر میرے خیال میں ہمیں واپس آنا چاہیے: سائنس کے گھمنڈ کا تصور۔ ایسا کوئی ڈسکورس نہیں ہے جو سائنس سے زیادہ سختی سے عاجزی اختیار کرتا ہے۔ میرے تجربے میں سائنس دان وہ پہلا شخص ہوتا جو کہتا ہے کہ میں نہیں جانتا۔ اگر آپ سائنس دانوں سے ان کے تخصص کے میدان سے باہر بات کرنا شروع کر دیں تو، وہ فوراً اپنی حدود طے کرنا شروع کر دیتے ہیں، مثلاً یہ کہنا، 'مجھے یقین ہے کہ کمرے میں مجھ سے زیادہ اس کے بارے میں جاننے والا موجود ہے، اور، یقیناً سارا ڈیٹا موجود نہیں۔' یہ گفتگو کا وہ انداز ہے

جس میں ہم اپنی لاعلمی کی وسعت کے بارے میں انتہائی صاف گو ہوتے ہیں۔

ہچنز: دراصل بہت سارے دانش ور اسی قسم کے عجز کا اظہار کرتے ہیں۔ لیکن مجھے معلوم ہے کہ آپ کی کیا مراد ہے۔

ڈاکنز: ہر دانش ور کو ایسا کرنا چاہیے۔ مذہبی افراد کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ ہر ہفتے نائسین کریڈ کی تلاوت کرتے ہیں، جس میں یہ بات کہی گئی جو ان کے عقیدے کا حصہ بن گئی ہے۔ خدا ایک نہیں، تین ہیں۔ کنواری مریم، یسوع فوت ہو کر چلے گئے...وہ کیا تھا؟ تفصیل کے مطابق تین دن تک نیچے رہے اور ایک بار پھر نمودار ہو گئے، تب بھی ان کا حوصلہ دیکھیے کہ ہم پر حد سے زیادہ اعتماد کا اور شک کے بارے میں بے خبری کا الزام لگاتے ہیں۔

ڈینیٹ: مجھے نہیں لگتا کہ ان میں سے اکثر خود کو کبھی اس سوال پر غور کرنے کی اجازت دیتے ہیں جس کے بارے میں میں سمجھتا ہوں کہ سائنس دان ہمہ وقت خود سے پوچھتے ہیں: 'اگر میں غلط ہوں تو کیا ہو گا؟" اگر میں غلط ہوں تو کیا ہو گا؟' یہ سوال ان کی جستجو کا حصہ ہی نہیں ہے۔

ہچنز: اگر اس تعلق سے میری رائے ذرا مختلف ہو تو آپ برا تو نہیں مانیں گے؟

ڈینیٹ: بالکل نہیں۔

ہچنز: بہت ساری گفتگو اس بات پر کی جاتی ہے کہ وہ عقیدے کے مستقل بحران میں ہیں، جس کی وجہ سے مذہبی لوگوں کو شکست دینا تو مشکل نہیں، تاہم ان کے ساتھ بحث کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ حقیقت میں ایک دعا اس طرح ہے: 'اے میرے رب، میں ایمان لاتا ہوں۔ میری لایقینی میں میری مدد کر۔' گراہم گرین کا کہنا ہے کہ کیتھولک ہونے کی سب سے اچھی بات یہ تھی کہ یہ ان کی بے اعتقادی کے لیے چیلنج تھا۔[1] بہت سارے لوگ کتابوں کے دو سیٹ اپنے پاس رکھتے ہیں۔

ڈینیٹ: ہاں۔

ڈاکنز: بالکل۔

ہچنز: یہ میرا تاثر ہے کہ میرے جاننے والے اکثر افراد جو اپنے آپ کو خدا کو ماننے والا، یا اہل ایمان کہتے ہیں، ہر وقت ایسا کرتے ہیں۔ میں یہ نہیں کہوں گا کہ یہ کوئی نسیان کا مرض ہے، ایسا کہنا گستاخی ہو گی۔ لیکن وہ خود جو کہتے ہیں اس کے ناقابل فہم ہونے کے بارے میں بخوبی جانتے ہیں۔ جب وہ ڈاکٹر کے پاس جاتے ہیں، یا جب سفر کرتے ہیں، یا اس طرح کی کسی صورت حال کا سامنا کرتے ہیں، تو وہ اس پر عمل نہیں

[1] گراہم گرین (1904–91): انگریزی ناول نگار؛ اپنی شادی سے عین قبل کیتھولک مذہب اختیار کر لیا تھا، بعد میں خود کو 'کیتھولک ملحد' قرار دیا۔

اس ترجمے کی اشاعت translationsproject.org پر کی گئی جہاں یہ مفت دستیاب ہے

کرتے۔ لیکن کچھ معنوں میں وہ اس کے بغیر نہیں رہ سکتے۔ تاہم وہ شک کے خیال کا کافی حد تک احترام بھی کرتے ہیں۔ دراصل جب بھی انھیں موقع ملتا ہے اور وہ ایسا کر سکتے ہیں تو اسے اپنے اندر تعمیر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ڈاکنز: تب یہ دلچسپ بات ہے۔ لہٰذا جب وہ عقیدے کی اس یقین کے ساتھ جاپ کرتے ہیں تو یہ ایک قسم کا منتر بن جاتا ہے جو انھیں شک پر قابو پا کر ماننے پر مجبور کرتا ہے۔ 'ہاں، میں یقین کرتا ہوں، میں یقین کرتا ہوں!' کیونکہ فی الحقیقت وہ صاحب ایمان نہیں ہوتے ہیں۔

ڈینیٹ: ضرور۔ اور—

ہچنز: اور ظاہر ہے کہ اپنے سیکولر ہم منصبوں کی طرح انھیں بھی اس بات سے خوشی ملتی ہے جب دوسرے لوگ یقین کرتے ہیں۔ یہ وہ توثیق ہے جسے وہ چاہتے ہیں کہ دوسرے لوگ بھی کریں۔

ڈاکنز: ہاں، بالکل ٹھیک۔

ہیرس: یہ ایک عجیب خود مکتفیانہ عمل بھی ہے، جہاں وہ اس مقدمے کے ساتھ ابتدا کرتے ہیں کہ بغیر ثبوت کے عقیدہ رکھنا خصوصی طور پر نیک کام ہے۔ عقیدے کی یہی ہدایت ہے۔ یہی شکی تھامس کی حکایت ہے۔ تو وہ اس کے ساتھ شروعات کرتے ہیں اور پھر اس میں یہ تصور شامل کر دیتے ہیں، جس سے مختلف مباحثوں میں میرا سابقہ پڑا تھا، کہ خود یہ حقیقت کہ لوگ بغیر ثبوت کے یقین کر سکتے ہیں اپنے آپ میں ایک لطیف ثبوت ہے۔ فرانسس کولنز نے، جس کا آپ نے تذکرہ کیا تھا، اس کا ذکر اپنی کتاب میں کیا ہے۔[1] یہ حقیقت کہ ہم وجدانی طور پر خدا کے وجود کے قائل ہیں خود اپنے آپ میں دلیل کی لطیف شکل ہے۔ اور یہ ایک طرح کا روشنی بخش مظہر ہے: جب آپ یہ کہتے ہیں کہ بغیر ثبوت کے آغاز کرنا اچھا ہے، یہ حقیقت کہ آپ آگے بڑھ سکتے ہیں ثبوت کی ایک لطیف شکل ہے، اور پھر اس کے بعد کسی اور ثبوت کا مطالبہ خود عقل کے ایک طرح خبط ہونے کی نشانی ہے، یا ایک فتنہ ہے، جس سے بچ کر رہنا ہے، اور ایک بار یہ چیز چل نکلے تو آپ خود فریبی کے ایک لامتناہی سلسلے میں داخل ہو جاتے ہیں۔

ہچنز: لیکن وہ اس خیال کو پسند کرتے ہیں کہ اس کا مشاہدہ نہیں کیا جا سکتا، کیوں کہ اس کے بعد ایمان رکھنے والی کوئی بات نہیں ہو گی۔ اگر سبھی نے قیامت دیکھی ہوتی اور ہم سب جان چکے ہوتے کہ ہم اس کے ذریعہ ہی نجات پائیں گے، تب ہم ایسے نظام اعتقاد میں زندگی گزار رہے ہوتے جس میں کوئی تبدیلی ممکن نہ ہوتی، اور اس پر عمل آوری کرانے کے لیے سختی کرنی پڑتی۔ ہم میں سے جو لوگ اس پر یقین نہیں رکھتے وہ بہت خوش ہیں کہ یہ سچ نہیں ہے، کیوں کہ ہمارے خیال میں یہ بہت خوف ناک ہو گا۔ جو مانتے ہیں وہ نہیں چاہتے کہ یہ قطعی طور پر ثابت ہو جائے کہ اس کے بارے میں کوئی شک باقی نہ رہے، کیوں کہ پھر ضمیر کے ساتھ کوئی کشتی نہیں ہو گی، روح کی تاریک

[1] فرانسس کولنز، *The Language of God* (نیویارک: فری پریس، 2006)

راتیں نہیں ہوں گی۔

ہیرس: ہماری ایک کتاب پر تبصرہ کیا گیا تھا، مجھے یاد نہیں ہے کہ کون سی والی، لیکن اس میں بالکل یہی نکتہ پیش کیا گیا تھا: ملحدین کی کیسی احمقانہ توقع ہے کہ مذہب کی ہر بات کا مکمل ثبوت ہونا چاہیے۔ اگر تمام لوگ ہر شے کے ثبوت کے ساتھ ہی ایمان لانے لگیں گے تو مذہب کی سحر آفرینی کیا خاک ہو گی؟ اصل میں یہ فرانسس کولنز کا خیال تھا۔

ہچنز: میرے ایک دوست، آکسفورڈ کے کینن فینٹن[1]، نے حقیقت میں کہا تھا کہ اگر چرچ تورن کے مقدس کفن کی اصلیت ثابت کرتا تو وہ ذاتی طور پر عہدہ چھوڑ دیتا۔ [قہقہہ] کیوں کہ اگر انھیں ایسے کام کرنے پڑیں تو وہ اس میں سے کسی طرح کا حصہ نہیں چاہتا تھا۔ جب میں نے اپنی کتاب کے لیے سفر شروع کیا تو مجھے اس خوش قسمتی کی توقع نہیں تھی، میرے سفر کے پہلے ہی ہفتے میں جیری فالویل[2] سڑک حادثے میں فوت ہو گئے۔ یہ شان دار بات تھی۔ میں نے یہ توقع نہیں کی تھی کہ مدر ٹیریسا[3] ایک ملحد نکلے گی۔ [قہقہہ] لیکن ان کے خطوط کا مطالعہ کرنا دلچسپ ہے، جو اب میرے پاس ہیں۔ وہ لکھتی ہیں کہ وہ ان میں سے کسی بات پر بھی ایمان نہیں لا سکتیں۔ وہ اپنے سب اعتراف کنندگان، اپنے تمام بزرگوں سے کہتی ہے کہ وہ کوئی آواز نہیں سن سکتیں، کسی کی موجودگی محسوس نہیں کر سکتیں، یہاں تک کہ مقدس اجتماع کے مواقع پر بھی۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں تھی۔ اہل چرچ نے ان کو جواب دیا، 'یہ تو اچھی بات ہے، یہ بہت عمدہ ہے، آپ کو دکھ ہے، صلیب میں آپ کا بھی حصہ ہے، یہ آپ کو یسوع کو مصلوب کیے جانے والے مقام کیلوری میں شریک بناتا ہے۔' آپ اس طرح کی دلیل کو شکست نہیں دے سکتے۔ آپ جتنا کم مانیں اتنا ہی یہ ایمان کا مظاہرہ بن جاتا ہے۔

ہیرس: اتنا ہی آپ اسے سچ ثابت کریں گے۔

ہچنز: ہاں، اور جدوجہد، روح کی تاریک رات، اپنے آپ میں اس کا ثبوت ہے۔ لہذا، ہمیں صرف یہ احساس کرنا ہو گا کہ یہ واقعی نان اوور لیپنگ میجسٹریا ہیں۔ ہم اس طرح کی ذہنیت کے ساتھ بحث کرنے کی امید نہیں کر سکتے ہیں۔

ڈینیٹ: ہم بس وہی کر سکتے ہیں جو آپ ابھی کر رہے ہیں۔ یعنی، ہم کہہ سکتے ہیں، 'شعبدوں کی یہ دلچسپ زنبیل ملاحظہ فرمائیں۔ غور کریں کہ وہ دائرہ نما ہیں، خود مکتفی ہیں، قریب قریب ہر شے کے بارے میں ہو سکتے ہیں۔'

اور پھر آپ ان سے بحث نہیں کرتے، آپ سیدھے سیدھے اشارہ کرتے ہیں کہ یہ کسی شے کے بارے میں سوچنے کا معقول طریقہ نہیں ہے۔

---

[1] جان فینٹن (1921–2008): انگلیکن پادری اور عالم۔ کینن آف کرائسٹ چرچ، آکسفورڈ، 1978–91۔

[2] جیری فال ویل (1933–2007): یو ایس سدرن بپٹسٹ پادری اور ایونجلسٹ۔ 1979 میں مورال میجورٹی کے شریک بانی۔

[3] اگنیس گونژا بوجیگژیو (1910–97)، جنھیں مدر ٹریسا کے نام سے جانا جاتا ہے: کیتھولک نن اور مشنری؛ 1950 میں 'مشنری آف چیریٹیز' کے سلسلے کی بانی۔

اس ترجمے کی اشاعت translationsproject.org پر کی گئی جہاں یہ مفت دستیاب ہے

کیوں کہ آپ کسی ایسی چیز کو برقرار رکھنے کے لیے وہی شعبدے اختیار کر سکتے ہیں جو واضح طور پر فریب کاری ہوں۔

اور در حقیقت، جو چیز میری توجہ کھینچتی ہے وہ یہ ہے کہ ان میں سے بہت سارے شعبدے وہی ہیں جو ان کے ہم منصب ٹھگ بھی استعمال کرتے ہیں، جو بے ثبوتی کی وہی شکلیں، وہی غیر منطقی دلائل استعمال کرتے ہیں اور وہ، مثال کے طور پر، اعتماد کو ایک خوبی قرار دیتے ہیں، اور جیسے ہی آپ اس ٹھگ کے بارے میں کسی شبہے کا اظہار کرتے ہیں وہ آپ کو چوٹ پہنچاتا اور دل آزاری کا جذباتی پتہ کھیلتا ہے، اور آپ کو یاد دلاتا ہے کہ اس کے عقیدے پر ایمان رکھنا کتنا شان دار ہے۔ یہ شعبدے نئے نہیں ہیں بلکہ ان گنت برسوں میں ارتقا پذیر ہوئے ہیں۔

ہچنز: اور کوئی اس میں بوگس اسپیشل افیکٹ کا اضافہ بھی کر سکتا ہے۔ ایک ایسی چیز جو مذہب کی فریب کاری کا مکمل یقین دلا دیتی ہے وہ معجزوں پر اعتقاد ہے۔ یہی لوگ کہیں گے، 'آئنسٹائن نے کائنات میں ایک روحانی قوت کو محسوس کیا،' جب کہ اس نے اس کے بارے میں جو کچھ کہا وہ بس اتنا تھا کہ معجزے نہیں ہوتے۔ فطری نظام میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی، یہ ایک معجزہ ہے۔ وہ آئن اسٹین پر دعوے کرنے کے بارے میں پوری طرح سنکی ہوئے جا رہے ہیں۔

ہیرس: اور ہر مذہبی فرد دوسرے مذاہب پر وہی تنقید کرتا ہے جو ہم کرتے ہیں۔ وہ جعلی معجزات اور جعلی دعووں اور دوسروں کے معتقدات کو مسترد کرتے ہیں۔ انھیں دوسرے لوگوں کے مذہب میں شعبدوں کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔ اور وہ انھیں بآسانی نظر آجاتی ہے۔ ہر عیسائی جانتا ہے کہ قرآن کائنات کے خالق کا کامل کلام نہیں ہو سکتا اور جو بھی یہ مانتا ہے اس نے اسے غور سے نہیں پڑھا ہے۔ جب ہم اس جانب اشارہ کرتے ہیں تو ایک بہت مضبوط نکتہ پیش کرتے ہیں، اور یہ بھی نشان دہی کرتے ہیں کہ لوگوں کو چرچ یا دعا میں جو بھی تجربہ ہوتا ہے خواہ وہ کتنا ہی مثبت کیوں نہ ہو، یہ حقیقت ہے کہ بدھ مت، ہندومت، مسلمان اور عیسائی سبھی یہ روحانی تجربہ کر رہے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ یسوع کی الوہیت یا قرآن کے انوکھے تقدس کی وجہ سے نہیں ہے۔

ڈینیٹ: کیوں کہ وہاں پہنچنے کے کے سترہ مختلف راستے ہیں۔

ہچنز: ویسے بھی، اس چھوٹے سے نکتے پر، اور میں امید کرتا ہوں کہ یہ موضوع سے بھٹکنا نہیں ہے، یہ بات ذہن میں رکھنا مفید ہوگی کہ جب آپ سے یہ سوال ہو جیسا کہ آج صبح اے بی سی نیوز پر مجھ سے پوچھا گیا 'کیا آپ یہ اعتراف نہیں کریں گے کہ دنیا میں مذہب نے بہت کچھ اچھا کیا ہے، اور اچھے [مذہبی] لوگ موجود ہیں؟'– اور آپ کبھی اس بحث میں نہیں پڑتے اور کوئی وجہ نہیں ہے کہ آپ اسے نہ اٹھائیں– آپ کہیں ' 'ہاں، میں نے واقعی یہ سنا ہے کہ غزہ میں حماس سماجی خدمت کا کام انجام دیتی ہے۔' [قہقہہ] اور میں نے یہ بھی سنا

ہے کہ لوئی فرخن[1] کا گروپ جیل میں سیاہ فام نوجوانوں کو منشیات سے دور رکھتا ہے۔[1] میں نہیں جانتا کہ یہ بات سچ ہے یا نہیں، میں یہ ماننے کے لیے تیار ہوں کہ یہ سچ ہو سکتی ہے۔ لیکن اس سے یہ حقیقت نہیں بدل جاتی کہ ایک مسلح دہشت گرد تنظیم ہے جس کا شدت پسندانہ سامی مخالف نظریہ ہے اور دوسرا نسل پرست، مجہول گروہ ہے۔ مجھے اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ سائینٹولوجی بھی لوگوں کو منشیات سے دور کر دیتی ہے۔ لیکن ان افراد سے میرا اصرار ہمیشہ اس بات پر ہے کہ اگر آپ ان میں کسی پر دعوی رکھتے ہیں تو آپ کو ان سب کو قبول کرنا ہو گا۔ کیوں کہ اگر آپ ایسا نہیں کرتے ہیں تو کھلی بد دیانتی ہے۔

ہیرس: یا آپ کوئی ایسا نظریہ وضع کر سکتے جو اس لمحے میں آپ کی محض جدت طرازی کی بنا پر ظاہری طور پر سچ نہ ہو لیکن وہ اتنی مفید ہو کہ اگر کروڑوں لوگوں تک اس کی اشاعت کی جائے تو بہت مفید ثابت ہو۔

ہچنز: بالکل ٹھیک۔

ہیرس: آپ کہہ سکتے ہیں، 'یہ میرا نیا مذہب ہے۔ مطالبہ یہ ہے کہ آپ کے بچے سائنس اور ریاضی اور معاشیات کا مطالعہ کریں اور ہمارے تمام آسمانی مضامین کو اپنی بہترین صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے پڑھیں، اور اگر وہ ان کوششوں پر قائم نہیں رہتے تو موت کے بعد سترہ راکشس انھیں سزا دیں گے۔' [قہقہہ] یہ انتہائی مفید ہو گا، اسلام سے کہیں زیادہ مفید۔ تاہم اس بات کے امکانات کیا ہیں کہ یہ سترہ راکشس موجود ہیں؟ صفر۔

ڈاکنز: استدلال میں ایک پھسلن بھی ہے، ہے نا، نفیس دانشوروں اور مذہبی ماہرین سے بات کرنے کے ایک طریقے نیز اجتماعات، اور سب سے بڑھ کر، بچوں سے مخاطب ہونے کے دوسرے طریقے میں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہم سب پر الزام ہے کہ آسان اہداف کا تعاقب کرتے ہیں، اس دنیا کے جیری فال ویلز کا، اور الہیات کے نفیس پروفیسروں کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ آپ کا اس بارے میں کیا احساس ہے، لیکن ایک چیز جو میں محسوس کرتا ہوں وہ یہ ہے کہ مذہبیات کے نفیس پروفیسر ایک دوسرے کو اور عام طور پر دانشوروں کو ایک بات کہیں گے، لیکن کسی اجتماع کو کچھ اور ہی بات کہیں گے۔ وہ معجزات کی بات کریں گے، وہ بات کریں گے۔

ڈینیٹ: وہ کسی اجتماع سے خطاب نہیں کریں گے۔

ڈاکنز: ٹھیک ہے، آرچ بشپ خطاب کریں گے۔

ڈینیٹ: ہاں، لیکن جب نفیس مذہبی ماہرین مبلغین سے بات کرنے کی کوشش کریں گے تو مبلغین کو ان سے کچھ نہیں ملے گا۔ [قہقہہ]

---

[1] لوئس والکوٹ، بعد میں فرخن (پیدائش 1933): امریکی سیاہ فام قوم پرست اور امریکی مذہبی گروہ نیشن آف اسلام کے رہنما۔

اس ترجمے کی اشاعت translationsproject.org پر کی گئی جہاں یہ مفت دستیاب ہے

ڈاکنز: بالکل، یہ سچ ہے۔

ڈینیٹ: آپ کو سمجھنا ہو گا کہ نفیس الہیات ٹکٹ جمع کرنے جیسا ہے۔ یہ بہت ہی خاص چیز ہے، اور صرف چند ہی لوگ یہ کام کرتے ہیں۔

ڈاکنز: اور ان کا حلقہ اثر نہ ہونے کے برابر ہے۔

ڈینیٹ: وہ اپنی لانڈری خود ہی لاتے ہیں، اور وہ کچھ رمزی تفصیلات کے بارے میں خاصے پر جوش ہو جاتے ہیں، اور خود ان کے اپنے مذاہب ان کی باتوں پر تقریباً بالکل ہی توجہ نہیں دیتے۔ اس میں سے تھوڑا بہت ضرور چھن کر ان کے پاس پہنچ جاتا ہے۔ لیکن یہ عام لوگوں کے مطالعے کے لیے نہیں ہوتا، کم از کم میرے تجربے کی رو سے وہ اپنی تحریروں میں جو کچھ کہتے ہیں، وہ آنکھوں کو چندھیانے والی، دماغ کی گھمانے والی، بہت ہی لطیف باتیں ہوتی ہیں جن کا عام زندگی میں کوئی خاص مصرف نہیں ہوتا۔

ہچنز: اوہ، نہیں، میں زور دے کر کہتا ہوں! [قہقہہ] یہاں میں پروفیسر الیسٹر میک گریتھ[1] کا ذکر خیر کرنا چاہوں گا، جنھوں نے رچرڈ پر اپنی نکتہ چینی میں کہا تھا کہ یہ بات درست نہیں ہے، انھیں ہمیشہ بتایا گیا تھا اور بیشتر عیسائی یقین بھی رکھتے ہیں کہ طرطلیان نے کہا تھا 'میں اس لیے عقیدہ رکھتا ہوں کیوں کہ یہ لغو بات ہے'[2] [credo quia absurdum] – نہیں، دراصل بات یہ ہے – اور میں نے اب اسے جانچ لیا ہے اگرچہ یہ بات مجھے میک گریتھ سے معلوم نہیں ہوئی – کہ حقیقت میں طرطلیان نے اس شے کے عدم امکان کی بات کہی تھی جو اسے قابل اعتقاد بناتی ہے۔[2] میرے خیال میں یہ لطیف امتیاز ہے۔ [قہقہہ] اور لطیف نکات پر ذہن کی تربیت کے لیے بہت مفید ہے۔ دوسرے الفاظ میں، یہ امکان کہ کسی بات کو گڑھا گیا ہے اس کے ناقابل یقین ہونے سے کم ہو جاتا ہے۔ کون کسی ایسی چیز کے گڑھنے کی کوشش کرے گا جو ناقابل یقین ہو؟

میں سمجھتا ہوں یہ ایک ایسا نکتہ ہے جس پر بحث ہونی چاہیے۔ میں ایسے لوگوں سے جو کہتا ہوں وہ اس طرح ہے: آپ اپنا ای میل، یا اپنا خط، غلط پتے پر بھیج رہے ہیں۔ ہر شخص یہی کہتا ہے کہ 'مذہب کا فیصلہ اس کے بنیاد پرستوں کی بنیاد پر نہ کیا جائے۔' بالکل ٹھیک۔ چرچ آف انگلینڈ کو ہی لیجیے، جس کے دو سینئر رہنماؤں نے حال ہی میں کہا تھا کہ شمالی یارک شائر میں سیلاب، منجملہ اور اسباب کے، ہم جنس پرست رویے کا نتیجہ تھا[3] – شمالی یارک شائر کے باشندوں کا نہیں، بلکہ میرا خیال ہے، شاید لندن کے باشندوں کا۔ [قہقہہ]

ڈینیٹ: خدا کا نشانہ تھوڑا سا چوک گیا ہو گا۔ [قہقہہ]

---

[1] الیسٹر میک گریتھ (پیدائش 1953): شمالی آئرش پادری اور مذہبی دانشور۔ آکسفورڈ یونیورسٹی میں آندریس اوریوس پروفیسر آف سائنس اینڈ ریلیجن۔

[2] 'Certum est, quia impossibile': *De Carne Christi*, 5.

[3] ملاحظہ کیجیے: https://www.telegraph.co.uk/news/uknews/1556131/Floods-are-judgment-on-society-say-bishops.html رچرڈ ڈریورنڈ گراہم ڈاؤ (پیدائش 1942)، بشپ آف کارلیسل 2000–9، کے اس قول کا حوالہ دیا گیا ہے

ہچنز: ان میں سے ایک، لیورپول کے بشپ[1] تھے جو واضح طور پر کینٹربری کے اگلے آرچ بشپ ہونے والے ہیں۔ یہ ایک غیر معمولی بات ہے۔ اسے عام طور پر نرم، سوچنے سمجھنے والی بلکہ تھوری پریشان چرچ سمجھا جاتا ہے، جو جنونی دعوے کر رہی ہے۔ میں یہ دیکھنا چاہتا ہوں کہ الیسٹر میک گریتھ ان بشپوں کو کیا لکھنے والے ہیں۔ کیا وہ یہ کہیں گے، 'کیا آپ کو یہ احساس نہیں ہے کہ آپ خود کو اور ہمارے چرچ کو کیسا احمق ثابت کر رہے ہیں؟' کیا انھوں نے ایسا کیا؟ اگر انھوں نے نجی طور پر ایسا کیا ہو تو میں متاثر نہیں ہوا۔ انھیں یہ بات عوامی طور پر کہنی چاہیے۔ وہ مجھ سے کیوں کہہ رہے ہیں کہ میں اس کے بشپس کے بیانات سے چرچ کا فیصلہ نہیں کر سکتا؟ میں سمجھتا ہوں مجھے اس کی اجازت ہے۔

ڈاکنز: الہیات کے دانشور، بشپ اور وائکار ہم پر یا لوگوں پر لفظی طور صحیفوں سے معنی اخذ کرنے پر کا الزام لگائیں گے۔ 'بے شک، ہم کتاب پیدائش کو لفظی طور پر نہیں مانتے!' اور پھر بھی وہ تبلیغ کرتے ہیں کہ آدم اور حوا نے کیا کیا، گویا آدم اور حوا کا وجود تھا– گویا انھیں ان امور پر بات کرنے کا کوئی لائسنس حاصل ہے جس کے بارے میں خود وہ، اور ذرا سا بھی منطقی ذہن رکھنے والا کوئی فرد، جانتا ہے کہ وہ افسانے ہیں۔ اور پھر بھی وہ اپنے اجتماعات میں، اپنی بھیڑوں سے اس طرح خطاب کریں گے گویا آدم و حوا حقیقی وجود رکھتے تھے۔ اور ان اجتماعات میں موجود لوگوں کی بڑی تعداد دراصل یہی سوچتی ہے کہ ان کا وجود تھا۔

ڈینیٹ: کیا آپ تصور کر سکتے ہیں کہ جب موضوع کا تعارف پیش کیا جائے تو ان میں سے کوئی مبلغ یہ کہے، 'یہ ایک طرح کا نظریاتی افسانہ ہے۔ یہ سچ نہیں ہے، لیکن یہ بہت عمدہ استعارہ ہے؟' نہیں۔ [ہنسی]

ڈاکنز: وہ مابعد واردات ظاہر کرتے ہیں کہ انھیں آپ سے یہی تو جاننے کی توقع ہے۔

ڈینیٹ: ہاں، لیکن وہ اس کا اعلان کبھی نہیں کریں گے۔

ہیرس: ایک اور نکتہ یہ ہے کہ وہ کبھی بھی اعتراف نہیں کرتے کہ انھوں نے صحیفوں کے لفظی معنی لینا کب بند کیا۔ یہاں سارے لوگ ہمارے لفظی معنی لینے پر شدید نکتہ چینی کرتے ہیں کہ ہم اتنے ہی بنیاد پرست ہیں جتنے کہ بنیاد پرست ہوتے ہیں، تاہم یہ اعتدال پسند کبھی اعتراف نہیں کرتے کہ وہ اعتدال پسند کب سے ہو گئے ہیں۔ اعتدال کیا ہوتا ہے؟ یہ ان تمام مزعومات سے، کم از کم نصف سے، سائنس اور سیکولر سیاست کے ہتھوڑوں کی وجہ سے یقین اٹھ جانے کا نام ہے۔

ڈینیٹ: اور نقادوں کے لفظی معنی لینے کا رویہ۔

---

[1] جیمز جونز (پیدائش 1948): انگلیکن پادری۔ بشپ آف لورپول 1998–2013۔

اس ترجمے کی اشاعت translationsproject.org پر کی گئی جہاں یہ مفت دستیاب ہے

ہیرس: مذہب نے ہزار مسائل پر اپنا مینڈیٹ کھو دیا ہے، اور اعتدال پسندوں کا کہنا ہے کہ یہ کسی نہ کسی طرح عقیدے کی فتح ہے۔ یہ عقیدہ کسی حد تک ذاتی روشن خیالی ہے، جب کہ اسے باہر سے روشن کیا گیا ہے۔ سائنس نے اس میں دخل اندازی کی ہے۔

ہچنز: اس نکتے کو میں بھی اٹھانا چاہتا تھا، ہماری نام نہاد بنیاد پرستی کے حوالے سے، ساؤتھ وارک میں ایک مذہبی عالم ہے، وہ پہلا شخص جسے میں نے آپ [رچرڈ] اور خود مجھ پر شدید تنقید کرتے ہوئے پایا تھا، وہ پرنٹ میں اتنا ہی بنیاد پرست تھا جتنا کہ لندن انڈر گراؤنڈ کو اڑانے والے دہشت گرد۔ کیا آپ کو اس کا نام یاد ہے؟

ڈاکنز: مجھے اس کا نام یاد نہیں ہے۔

ہچنز: وہ ساؤتھ وارک کے ڈائیوسیس کا ایک بہت سینئر انگلیکن عالم[1] ہے۔ میں اس کے ساتھ بی بی سی پر گیا تھا۔ میں نے اس سے پوچھا، 'آپ اپنے اجتماع ریوڑ کیسے کہہ سکتے ہیں؟ کیا اس سے آپ کے مذہب کے بارے میں سب کچھ نہیں معلوم ہو جاتا؟ کیا آپ کو لگتا ہے کہ وہ بھیڑیں ہیں؟' انھوں نے کہا، 'اصل میں میں نیو گیانا میں پادری ہوا کرتا تھا، جہاں بھیڑیں نہیں ہوتیں۔' بے شک، بہت سی جگہیں ایسی بھی ہیں جہاں بھیڑیں نہیں ہیں۔ اس وجہ سے انجیل کو سمجھانا خاصا مشکل کام ہے۔ [قہقہہ] اس نے کہا، 'ہم نے پتہ کیا کہ مقامی افراد کے لیے سب سے اہم جانور کون سا ہے، اور مجھے بہت اچھی طرح یاد ہے کہ میرے مقامی بشپ نے اٹھتے ہوئے خدا سے دعا کی "ان سوروں کا خیال رکھنا"۔ [قہقہہ] اس کا نیا اجتماع۔

لیکن یہ وہ آدمی ہے جو جان بوجھ کر اس طرح کا کام کرتا ہے۔ یہ اتنا ہی سنکی ہے جتنا آپ چاہیں اور اتنا ہی مطابقت پذیر بھی ہے۔ اور وہ کہتا ہے کہ ہم اہل تشکیک اتنے ہی بنیاد پرست ہیں جتنے لندن کی انڈر گراؤنڈ پر اپنے ہی ہم وطن شہریوں کو اڑا دینے والے۔ یہ غیر معقول حد تک زیادتی ہے۔ مجھے واقعی اس طرح کے لوگوں کے ساتھ طنز و تشنیع یا توہین کا رویہ اختیار کرنے کا الزام عائد کیے جانے سے فرق نہیں پڑتا۔ صاف بات ہے، میرے پاس کوئی اور چارہ بھی نہیں ہے۔ میرے پاس حس مزاح ہے، اور کبھی کبھی یہ حس تیز اور کھردری ہو جاتی ہے۔ شائستگی کی خاطر میں اسے دبانے کی کوشش نہیں کرنے والا۔

ڈینیٹ: کیا آپ سمجھتے ہیں کہ پیشہ ور اور شوقیہ افراد کے مابین فرق کرنا اچھا ہو گا؟ چرچ کے عہدیداروں سے میں بھی اتنا ہی مضطرب ہوتا ہوں جتنے آپ۔ یہ وہ لوگ ہیں جو مذہب کو پیشہ ورانہ زندگی کے طور پر اختیار کرتے ہیں۔ مجھے لگتا ہے کہ وہ بہتر جانتے ہیں۔ اجتماعات میں لوگوں کو زیادہ علم نہیں ہوتا، کیوں کہ مانا جاتا ہے کہ انھیں زیادہ نہیں جاننا چاہیے۔ میں ریوڑ کے اعتقاد کی ہنسی اڑانے پر بہت پریشان ہو جاتا ہوں، اس بنا پر کہ اسی طرح وہ اپنے پیشواؤں کی غلامی کا طوق گلے میں پہن لیتے ہیں، انھوں نے اپنا اختیار پیشواؤں کو سونپ دیا ہے، اور ان کا خیال ہے کہ پیشوا اسے درست طریقے سے استعمال کر رہے ہیں۔ کون ہے جو کھڑا ہو کر کہے، 'بس بہت ہو چکا'؟ میرے

[1] کولن سلی (1945–2010): انگلیکن عالم؛ 1994 سے ساؤتھ وارک کے پرووسٹ۔ 2000 سے اپنی موت تک ڈین۔

خیال میں خود مبلغ، یہ بشپ، اور پادری ہیں جن کو ہمیں واقعتاً کٹہرے میں کھڑا کرنا چاہیے۔

مثال کے طور پر، صرف تخلیق کے تصور کے مسئلے کو ہی دیکھ لیں۔ اگر کسی بنیاد پرست چرچ میں کوئی یہ سمجھے کہ تخلیق کا تصور اس لیے قابل یقین ہے کیوں کہ ان کے پادری نے انھیں ایسا کہا ہے؛ ٹھیک ہے، میں یہ سمجھ سکتا ہوں اور اس کا عذر قبول کر سکتا ہوں۔ ہم سب کو ایسے لوگوں سے جن کا ہم احترام کرتے ہیں، ایسی بہت سی باتیں ملتی ہیں جنھیں ہم سچ مانتے ہیں اور ہم انھیں اتھارٹی تصور کرتے ہیں۔ ہم ہر چیز کی جانچ نہیں کرتے ۔ لیکن پادری کو یہ تصور کہاں سے ملا؟ اور مجھے پروا نہیں کہ اسے کہاں سے ملا، وہ ذمہ دار ہیں کیوں کہ ان کا کام یہ جاننا ہے کہ وہ کس بارے میں بات کر رہے ہیں، اس طریقے سے جسے جماعت نہیں کر سکتی۔

ڈاکنز: ہمیں ایسا کہتے ہوئے تھوڑا سا محتاط رہنا ہو گا کہ اس میں تحقیر کا پہلو نہ آ جائے۔ ایک طرح سے یہ خود مبلغ کے ذریعے اپنی تحقیر کی عکاسی کرتا ہے۔

ہچنز: ہاں۔ کیوں کہ میں ایسی چیزوں کو مان لوں گا جو آپ اور رچرڈ انسانی فطری علوم پر کہتے ہیں، میرا ماننا جانچنے کی خواہش کے بغیر نہیں ہو گا، تاہم، میں اکثر ایسا نہیں کر پاؤں گا، لیکن یہ جانتے ہوئے مان لوں گا کہ آپ ایسے حضرات ہیں جو جانچ پڑتال کر کے ہی کوئی بات لکھتے اور بولتے ہیں۔ لیکن جب آپ کہتے ہیں، 'بشپ نے مجھے یہ بتایا تو میں نے یقین کر لیا،' مجھے لگتا ہے کہ آپ خود کو بیوقوف بناتے ہیں، اور کسی کو بھی ایسا کہنے کا حق حاصل ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے کسی عام نسل پرست کے ساتھ معاملہ کرتے وقت یہ کہنا کہ اس کے خیالات بغاوت آمیز لگ رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ اس سے بہتر کچھ نہ جانتا ہو، لیکن وہ اس وجہ سے میری مذمت سے نہیں بچ سکتا۔ اور نہ ہی بچنا چاہیے۔ اور بالکل اسی طرح، میں سمجھتا ہوں کہ ایک ایک کر کے اور اکٹھے عوام کی رائے کا سامنا نہ کرنا تحقیق آمیز ہے۔ رائے عامہ اکثر غلط ہوتی ہے۔ بھیڑ کی رائے کم و بیش ہمیشہ غلط ہوتی ہے۔ اور مذہبی رائے تعریف کی رو سے غلط ہے۔ ہم اس سے بچ نہیں سکتے۔

میں اس موقعے پر 'ایچ ایل مینکن[1] کا نام متعارف کرانا چاہتا تھا[1] جو اب بھی اور اپنے دور میں بھی امریکہ کے انتہائی اور بجا طور پر مقبول مصنف تھے۔ خاص طور پر میرے ذوق کے لیے نہیں۔ جو نیطشے کے بہت زیادہ قریب ہے، اور ایک دور میں 'سوشل ڈارونسٹ' تصورات کا حامل تھا۔ تاہم اس مصنف نے 1920 اور 30 کی دہائی میں اس ملک میں بہت سارے افراد کا زبردست احترام کیوں حاصل کیا تھا؟ اس لیے کہ انھوں نے کہا تھا کہ جو لوگ میتھوڈسٹس کی باتوں پر، اور ولیم جیننگس برائن[2] کے کہے پر یقین رکھتے ہیں وہ احمق ہیں۔ انھیں احمق بنایا نہیں جا رہا ہے بلکہ وہ احمق ہیں۔ انھیں چاہیے کہ۔

---

[1] ہنری لوئس مینکن (1880–1956): امریکی مصنف اور امریکی انگریزی کے اسکالر۔

[2] ولیم جیننگز برائن (1860–1925): امریکی جمہوری سیاست دان اور ترجمان۔ 1925 کے اسکوپ ٹرائل میں نظریہ ارتقا کے مخالف کارکن کی حیثیت سے ورلڈ کرسچن فنڈامینٹلز ایسوسی ایشن کی نمائندگی کی

اس ترجمے کی اشاعت translationsproject.org پر کی گئی جہاں یہ مفت دستیاب ہے

ڈینیٹ: اس پر یقین کرنے پر انھیں شرم آنی چاہیے۔

ہچنز: ہاں، ایسے لوگ خود کو بے توقیر اور جاہل بنا لیتے ہیں۔ اس میں الفاظ کا کوئی ہیر پھر نہیں ہے، اور بذلہ سنجی اور منطق و استدلال کا زبردست استعمال ہے۔ یہ بالکل کام کرتا ہے۔ بہر حال وہ بیسویں صدی میں، جدید دنیا کا غالباً سب سے کامیاب مذہب مخالف دانش ور رہا ہے۔

ہیرس: میں سمجھتا ہوں کہ ہم نے ابھی ایک ایسے مسئلے کو چھوا ہے جسے اجاگر کرنا چاہیے: اختیار کا یہ پورا تصور۔ چونکہ مذہبی لوگ اکثر یہ استدلال کرتے ہیں کہ سائنس محض ایسے چیکوں کا ایک سلسلہ ہے جنھیں بھنایا نہیں گیا جبکہ ہم سبھی اتھارٹی پر انحصار کرتے ہیں: 'آپ کو کیسے پتہ چلے گا کہ کونیاتی مستقل... ہے؟' یہ جو کچھ بھی ہو۔ لہٰذا، اتھارٹی میں ایمان رکھنے کی روایت جسے ہم سائنس میں بغیر کسی خوف کے رکھتے ہیں، اور عمومی عقلیت پسندی، اور مذہبی یا الٰہیات کے ماہر کی باتوں پر ایمان رکھنے کی روایت جس کی ہم نکتہ چینی کرتے ہیں، کے درمیان فرق کریں۔

ڈاکنز: لیکن ہم، جو ماہرین فزکس نہیں ہیں اصل میں یہ کرتے ہیں کہ جو فزکس کے ماہرین کہتے ہیں اس پر اعتماد کرتے ہیں، کیوں کہ ہمارے پاس اس بات کے کچھ ثبوت موجود ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ ماہرین فزکس نے اس معاملے پر غور کیا ہے۔ انھوں نے تجربات کیے ہیں، انھوں نے اپنے مقالات کا جائزہ لیا ہے، انھوں نے ایک دوسرے کے مقالات پر تنقید کی ہے، اور انھیں سیمیناروں اور لیکچروں میں ان کے ساتھیوں نے زبردست تنقید کا نشانہ بنایا ہے۔

ڈینیٹ: اور وہاں موجود ڈھانچے کو بھی یاد رکھیں۔ یہ صرف اتنا ہی نہیں ہے کہ ہم ایک دوسرے کے مقالات کا جائزہ لیں۔ بلکہ یہ بھی بہت ضروری ہے کہ [سائنس] مسابقتی ہو۔ مثال کے طور پر، جب فرمیٹ کی آخری تھیورم کو... نے ثابت کیا

ڈاکنز: اینڈریو وائلس نے۔

ڈینیٹ: اینڈریو وائلس، یہی وجہ ہے کہ ہم میں سے کچھ افراد نے کہا، 'بھول جاؤ، میں اس ثبوت کو کبھی سمجھنے کی کوشش نہیں کرنے والا،' یہی وجہ ہے کہ ہمیں اعتماد ہے کہ یہ واقعی ثبوت ہے—

ہیریس: کوئی نہیں چاہتا تھا کہ وہ پہلے ثابت کرے۔ [قہقہہ]

ڈینیٹ: دنیا کا ہر دوسرا ریاضی دان جو قابل تھا، اس ثبوت کا مطالعہ کرنے کی تحریک رکھتا تھا۔

ڈاکنز: اسے ڈھونڈنا، بالکل درست۔

ڈینیٹ: اور میرا یقین کریں، اگر انھوں نے بادل نخواستہ بھی اعتراف کیا کہ یہ ثبوت ہے، تب بھی یہ ثبوت ہے۔ مذہب میں ایسا کچھ نہیں ہوتا

ہے، کچھ بھی تو نہیں۔

ہچنز: کوئی بھی مذہبی فرد آج تک وہ نہیں کہہ سکا جو آئنسٹائن نے کہا ہے کہ اگر میں درست ہوں تو، سورج گرہن کے دوران فلاں فلاں واقعہ افریقہ کے مغربی ساحل سے پرے واقع ہو گا۔ اور بہت معمولی تغیر سے ایسا ہوا۔ ایسی پیش گوئی ماضی میں کبھی نہیں کی گئی تھی جو اس طرح ثابت ہو گئی ہو۔ یا کسی نے اپنی ساکھ اس طرح داؤ پر نہیں لگائی یا اس انداز میں اپنی زندگی کسی تصور کے لیے وقف نہیں کی۔

ڈاکنز: مجھ سے ایک بار ایک پبلک جلسے میں پوچھا گیا، 'کیا آپ کو نہیں لگتا کہ کوانٹم تھیوری کی پراسراریت تثلیث یا ٹرانس سب سٹانشیشن کی پراسراریت جیسی ہی ہے؟' اور جواب یقیناً دیا جاسکتا ہے، رچرڈ فین مین کے دو مقولوں سے۔ ایک میں رچرڈ فین مین نے کہا، 'اگر آپ کو لگتا ہے کہ آپ کوانٹم تھیوری کو سمجھتے ہیں تو آپ کوانٹم تھیوری کو نہیں سمجھتے ہیں۔' وہ اعتراف کر رہے تھے کہ یہ انتہائی پراسرار ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ کوانٹم تھیوری میں پیش گوئیوں کی ٹوثیق تجربہ کے ذریعے شمالی امریکہ کی مساوی چوڑائی کی پیش گوئی ایک انسان کے بال کی چوڑائی کے مساوی کرنے کے مترادف ہے۔ اور لہذا کوانٹم تھیوری کو بڑے پیمانے پر درست پیش گوئیوں کی تائید حاصل ہے، خواہ آپ کو پن ہیگن تفہیم کے اسرار کو نہ سمجھتے ہوں، وہ کچھ بھی ہو۔ جبکہ تثلیث کا معمہ سرے سے کوئی پیش گوئی ہی نہیں کرتا ہے، اس کی درستی کا تعین تو الگ بات ہے۔

ہچنز: یہ بھی کوئی معمہ نہیں ہے۔

ڈینیٹ: مجھے یہاں لفظ 'اسرار' کا استعمال پسند نہیں ہے۔ میں سمجھتا ہوں اس اصطلاح کے بارے میں فلسفے میں شعور بیدار کرنے کا ایک بڑا عمل رہا ہے، اور ہمارے پاس نئے نام نہاد اسرار پسند بھی موجود ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اصطلاح 'اسرار' کو پسند کرتے ہیں۔ نوم چومسکی[1] کے حوالے سے بتایا جاتا ہے کہ دو طرح کے سوالات پائے جاتے ہیں—مسائل اور اسرار۔ مسائل حل کیے جاسکتے ہیں، اسرار نہیں۔[2] سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ مجھے اس بات سے اتفاق نہیں ہے۔ تاہم میں امتیاز کا قائل ہوں، اور کہتا ہوں کہ سائنس میں اسرار کے بارے میں کچھ نہیں ہے۔ مسائل موجود ہیں، گہرے مسائل۔ ایسی چیزیں ہیں جن کے بارے میں ہم نہیں جانتے۔ ایسی بھی چیزیں ہیں جن کے بارے میں ہمیں کبھی پتہ نہیں چل سکے گا۔ لیکن وہ انسانوں کے لیے بحیثیت نظام دائرہ فہم سے باہر نہیں ہیں۔ اس خیال کی گردان کے لیے کہ یہ چیزیں بحیثیت نظام ناقابل فہم ہیں، میں سمجھتا ہوں، سائنس میں کوئی جگہ نہیں ہے۔

ہچنز: یہی وجہ ہے کہ مجھے لگتا ہے کہ ہمیں اپنے مباحثے میں روایتی اصطلاحات کا احیا کرنے میں خوشی ہونی چاہیے، جیسے 'تاریک خیالی'

---

[1] نوم چومسکی (پیدائش 1928): امریکی ماہر لسانیات اور کثیر الثقافتی اسکالر۔ ذہن اور زبان کے مطالعہ میں انتہائی بااثر۔

[2] اسٹیون پنکر، ہاؤ مائنڈ ورکس (نیویارک: ڈبلیو ڈبلیو نورٹن، 1997)، صفحہ ix۔

اس ترجمے کی اشاعت translationsproject.org پر کی گئی جہاں یہ مفت دستیاب ہے

[obscurantism] اور 'تدلیس'[obfuscation]، جو حقیقت میں وہی ہیں جو ہیں۔ اور یہ بتانا چاہیے کہ یہ چیزیں ذہین افراد کو احمقانہ حرکتیں کرنے پر مجبور کر سکتی ہیں۔ جان کارنویل،[1] جنھوں نے رچرڈ حال ہی میں آپ پر ایک اور تنقیدی تبصرہ کیا ہے اور جو میرے دوست ہیں اور بہت ہی شاندار آدمی ہیں، انھوں نے کیتھولک چرچ اور فاشزم پر بہترین جائزہ شائع کیا ہے۔ آپ کے بارے میں اپنے تبصرے میں وہ کہتے ہیں کہ پروفیسر ڈاکنز کو تثلیث پر دستیاب کتابوں کی صرف ان شیلفوں کو دیکھ لینا چاہیے جو اس مسئلے کے حل کی جستجو میں لائبریریوں میں بھری پڑی ہیں۔ تاہم ان مذہبی لائبریریوں کی کوئی بھی کتاب اس مسئلے کا حل پیش نہیں کرتی ہے۔ سارا نکتہ یہ ہے کہ یہ ناقابل حل ہے، اور اسے افراد کو تحیر زدہ اور کمتر محسوس کرانے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

ڈاکنز: میں فزکس میں پراسراریت کی بات پر واپس آنا چاہتا ہوں۔ کیوں کہ ہمارے ارتقایافتہ دماغوں کے لیے یہ ممکن نہیں—کیوں کہ ہمارا ارتقا ایسے عہد میں ہوا تھا جسے میں عالم وسطی یا مڈل ورلڈ کہتا ہوں جہاں ہمیں کبھی نہ تو انتہائی خورد اشیا سے سابقہ پڑا اور نہ کونیاتی لحاظ بہت بڑی اشیا کا سامنا کرنے کی ضرورت پیش آئی—شاید ہمیں وجدانی طور پر کبھی محسوس نہیں ہو سکتا ہے کہ کوانٹم میکانیات میں کیا ہو رہا ہے۔ لیکن ہم پھر بھی اس کی پیش گوئیوں کو جانچ سکتے ہیں۔ ہم اب بھی پیشن گوئیوں کو کو جانچنے کے لیے ریاضی اور فزکس سے کام لے سکتے ہیں—کیوں کہ کسی آلے کا ڈائل کوئی بھی پڑھ سکتا ہے۔

ڈینیٹ: درست۔ میں سمجھتا ہوں جو ہم دیکھ سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ سائنس دانوں کے ذریعے صدیوں میں بنائے گئے آلات و اوزار کا سلسلہ ہے—ذہنی آلات، غور و فکر کرنے کے آلات، ریاضیاتی آلات، وغیرہ وغیرہ۔—یہ ہمیں ہمارے ارتقایافتہ دماغوں کی کمی دور کرنے کے لیے کسی حد تک قابل بناتے ہیں۔ اگر آپ پسند کریں تو میں کہوں گا کہ ہمارے دماغ حجری عہد کے ہیں۔ اور ان کمیوں کو دور کرنا ہمیشہ براہ راست نہیں ہوتا۔ کبھی آپ کو کچھ ترک کرنا پڑتا ہے۔ ہاں، جیسا کہ آپ نے کہا آپ کبھی اس قابل نہیں ہوں گے کہ وجدانی طور پر اس بارے میں سوچ سکیں۔ ہر چند کہ وجدانی طور پر نہ سوچ سکیں لیکن آپ جان سکتے ہیں، اس دقت طلب عمل سے آپ پیش رفت کر سکتے ہیں۔ اور آپ کو اس عمل کے دوران کسی خاص اختیار سے دست بردار ہونا پڑتا ہے، لیکن آپ اس کی جانچ کر سکتے ہیں۔ اور یہ آپ کو A سے B تک اسی طرح لے جا سکتا ہے جس طرح اگر آپ چاروں ہاتھ پاؤں سے مفلوج ہوتے تو کسی مصنوعی آلے کے ذریعے A سے B تک پہنچتے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ A سے B تک چل کر گئے ہیں، بلکہ یہ ہے کہ A تک بہر حال پہنچ گئے۔

ڈاکنز: بالکل ٹھیک۔ اور کچھ زیادہ جرأت مند ماہرین فزکس کہیں گے، 'وجدان کی پروا کون کرتا ہے؟ میرا مطلب ہے، ذرا ریاضی سے حساب کر کے دیکھ لو۔'

[1] جان کارنویل (پیدائش 1940): برطانوی ماہر تعلیم اور مصنف؛ تصانیف میں پوپ پیئس دوازدہم پر تنقیدی کتاب 'ہٹلرز پوپ' (1999) شامل ہے۔

ڈینیٹ: ہاں، ہاں، بجا کہا۔ وہ اپنی بیساکھیوں کے ساتھ رہنے میں آرام محسوس کرتے ہیں۔

ہیرس: اس کی بہترین مثال تین ابعاد سے بالاتر ہے، کیوں کہ ہم چوتھے یا پانچویں بعد کا تصور نہیں کر سکتے ہیں۔ لیکن ریاضی میں ان کو دکھانا معمولی بات ہے۔

ڈینیٹ: اور اب ہم اپنے انڈر گریجویٹس کو n ابعاد میں حساب کرنا اور n ابعادی اسپیس میں ویکٹروں کے بارے میں سوچنے کی تربیت دیتے ہیں۔ اور وہ اس حقیقت کے عادی ہو چکے ہیں کہ وہ ان کا تصور نہیں کر سکتے ہیں۔ تب آپ کیا کرتے ہیں، آپ ان میں سے تین کا تصور کرتے ہیں اور اپنا ہاتھ تھوڑا سا لہراتے ہیں، اور کہتے ہیں کہ 'اسی طرح کے کچھ اور۔' تاہم آپ اپنے وجدان کی جانچ ریاضی کا حساب کر کے کرتے ہیں، اور یہ کام کرتا ہے۔

ڈاکنز: فرض کیجیے کہ آپ ایک ماہر نفسیات ہیں جو شخصیت کو دیکھ سکتا ہے، آپ کہتے ہیں کہ شخصیت کی پندرہ ابعاد ہوتی ہیں، آپ انھیں خلا کی پندرہ ابعاد تصور کر سکتے ہیں۔ اور ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ آپ ان ابعاد میں ایک دوسرے کے لحاظ سے آگے بڑھنے کا تصور بھی کر سکتے ہیں، آپ کو واقعی پندرہ ابعادی خلا کا تصور کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

ڈینیٹ: نہیں، آپ یہ مطالبہ ترک کرتے ہیں۔ اور آپ کو احساس ہوتا ہے، 'میں اس کے بغیر بھی رہ سکتا ہوں۔ اگر میں یہ کر سکوں تو اچھا ہو گا، لیکن، اوہ، میں ننگی آنکھ سے بیکٹیریا بھی نہیں دیکھ سکتا۔ میں اس کے بغیر رہ سکتا ہوں۔'

ہچنز: ایک دن مجھے کسی نے ریڈیو پر چیلنج کیا اور کہا کہ میں ثبوت کے بغیر ایٹموں پر یقین کرتا ہوں، جب کہ میں نے انھیں کبھی نہیں دیکھا۔ نہیں، میں نے اس وقت سے یقین کرنا چھوڑ دیا جب سے جارج گیلووے نے مجھے بتایا ہے کہ اس نے کبھی تیل کا بیرل نہیں دیکھا۔[1] [قہقہہ] لیکن آپ کو احساس ہوتا ہے کہ اس موقعے پر لوگ انتہائی متجسس ہیں، میرا مطلب ہے، وہ شدید طالب ہوتے ہیں جب وہ یہ کہتے ہیں کہ۔

میں نہیں چاہتا کہ ہماری زندگی آسان تر ہو جائے ، لیکن اس سے استدلال کرنا قدرے آسان ہو جاتا ہے: ہم یہ کہنے کے لیے بالکل تیار ہیں کہ بہت سی چیزیں ہیں جن کے بارے میں ہمیں معلوم نہیں۔ لیکن جو ہیلڈین[2] نے کہا کہ کائنات صرف اتنی عجیب نہیں جتنی ہم

---

[1] مئی 2005 میں، برطانیہ کے جنگ مخالف کارکن اور رکن پارلیمنٹ جارج گیلووے (جنھوں نے اسی سال ستمبر میں کرسٹوفر ہچنز سے عراق جنگ پر مذاکرہ کیا تھا) پر یہ الزام لگایا گیا تھا کہ انھوں نے عراق میں اقوام متحدہ کے تیل کی خاطر خوراک پروگرام سے منافع کمایا تھا جس کی تردید کرتے ہوئے امریکی سینیٹ کی ایک کمیٹی کے سامنے گواہی میں انھوں نے کہا: 'میں نہ تو اب اور نہ ہی کبھی ماضی میں تیل کا تاجر رہا ہوں۔ اور نہ ہی میری طرف سے کسی نے کبھی تیل کا کوئی بیرل دیکھا، رکھا، خریدا، یا فروخت کیا ہے۔'

[2] جان برڈن سینڈرسن (جے بی ایس) ہیلڈین (1892–1964): برطانوی، بعد میں بھارتی، سائنس دان اور ماہر شماریات

اس ترجمے کی اشاعت translationsproject.org پر کی گئی جہاں یہ مفت دستیاب ہے

فرض کرتے ہیں بلکہ اس سے زیادہ عجیب ہے جتنی ہم فرض کر سکتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ یہاں بڑی بڑی نئی دریافتیں ہوں گی۔ ہم جانتے ہیں کہ ہم عمدہ چیزیں دیکھنے کے لیے زندہ رہیں گے۔ لیکن ہم جانتے ہیں اس میں بے یقینی کی بڑی مقدار موجود ہے۔ یہی تمام تر فرق ہے۔ یقین رکھنے والے کو صرف یہی نہیں کہنا پڑتا ہے کہ خدا موجود ہے– نظریہ وجود اعلی کے قائل (Deist) کا بھی موقف ہوتا ہے کہ کائنات کے چلائے جانے کے پیچھے کوئی دماغ کار فرما ہو سکتا ہے، ایک ایسا نظریہ جس کی تردید نہیں کی جاسکتی– لیکن یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ وہ اس دماغ کو جانتے ہیں۔

ہیرس: بالکل۔

ہچنز: اور اس کی ترجمانی کر سکتے ہیں۔ وہ اس کے ساتھ اچھا تعلق رکھتے ہیں۔ ان پر کبھی کبھار اس کی طرف سے وحی نازل ہوتی ہے۔ انھیں اس سے ہدایات ملتی ہیں۔ کوئی بھی معقول دلیل، کوئی بھی معتبر استدلال، ان افراد کو خارج کر کے شروع کرنا ہو گا جو ممکنہ طور پر ان سے زیادہ جاننے کے دعوے دار ہیں۔ آپ یہ کہہ کر شروعات کرتے ہیں کہ 'اس کے ساتھ شروع کرنا غلط ہو گا۔ کیا ہم اس کے ساتھ آگے بڑھ سکتے ہیں؟' تو، پہلے دور میں خدا پر ایمان ختم ہو گیا۔ یہ جزیرے سے دور ہے۔ یہ شو سے باہر ہے۔

ہیرس: یہ ایک حاشیہ ہے جو میں ڈین کی باتوں میں شامل کرنا چاہتا تھا۔ یہاں تک کہ اگر پراسراریت کوئی تلخ گولی ہوتی جسے ہمیں آخر کار نگلنا پڑے گا اور ہم ادراکی طور پر کسی نہ کسی سطح پر سچائی کے ساتھ بند ہو جاتے ہیں، تب بھی وجود خدا کو کوئی گنجائش نہیں نکلتی۔

ڈینیٹ: بالکل نہیں، کیوں کہ یہ ان کے پاس اتنی ہی بند جتنی کہ–

ہیریس: بالکل۔ پھر بھی وہ مکمل طور پر خطا سے بری اور وحی کا دعوی کرتے ہیں۔

ہچنز: اس کے علاوہ، انھیں اس بات کو فراموش کرنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی کہ جب وہ اس سے گریز پائی کے لیے مضبوط تھے تب وہ کیا کہتے تھے۔ وہ یہ ہے کہ 'یہ ہر تفصیل میں سچ ہے، اور اگر آپ اسے نہیں مانیں گے تو–'

ہیریس: تو ہم آپ کو جان سے مار ڈالیں گے۔ [قہقہہ]

ہچنز: ہم آپ کو جان سے مار ڈالیں گے، اور آپ کو مارنے میں کچھ دن لگ سکتے ہیں، لیکن ہم یہ کام انجام دیں گے۔ ان کے پاس اب جیسی قوت نہ ہوتی اگر ان کے پاس پہلے پہل قوت نہ ہوتی۔

ڈینیٹ: آپ نے ابھی جو کہا تھا، کرسٹوفر، اصل میں یہ خیال بہت سے مذہبی دلوں میں دہشت اور اضطراب پیدا کرتا ہے۔ کیوں کہ ابھی تک انھیں یہ سمجھایا نہیں گیا ہے کہ ان کا یہ اقدام حد سے متجاوز ہے۔ جبکہ ان کی ساری عمر انھیں سکھایا جاتا ہے کہ یہ صرف کھیل نہیں ہے؛

تم ایسا کر سکتے ہو—یہ مباحثے کا ایک جائز طریقہ ہے۔ اور یہاں اچانک ہم انھیں بتاتے ہیں، 'مجھے افسوس ہے، اس کھیل میں اس حرکت کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ در حقیقت، یہ ایک نااہل قرار دینے والی حرکت ہے۔'

ہیرس: بالکل وہ حرکت جس کے انجام دینے پر آپ کا احترام نہیں کیا جا سکتا۔

ہچنز: مجھے اس حرکت کا اشارہ دیجیے۔ آپ اس حرکت کے بارے میں کیا سوچتے ہیں وہ بتائیے۔

ڈینیٹ: کوئی مذہب کا کارڈ کھیلتا ہے۔ وہ کہتے ہیں، 'دیکھو، میں ایک مسیحی ہوں، ہم مسیحی ہیں، ہمیں اس پر یقین کرنا ہوگا، اور بس۔' اس مقام پر— اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ کہنے کا شائستہ طریقہ ہے— آپ کہتے ہیں، 'ٹھیک ہے، اگر یہ سچ ہے تو آپ خود کو اس بحث سے باز رکھیں، کیوں کہ آپ نے خود کو کھلے دماغ کے ساتھ آگے بڑھنے کے لیے نااہل قرار دے دیا ہے۔

ہچنز: ٹھیک ہے، مجھے امید ہے کہ آپ یہی کہہ رہے تھے۔

ڈینیٹ: اگر آپ واقعی آپ اپنے نظریے کا دفاع نہیں کر سکتے تو، افسوس، آپ اسے آگے نہیں بڑھا سکتے۔ ہم آپ کو مذہب کا کارڈ کھیلنے نہیں دیں گے۔ اب، اگر آپ اس بات کا دفاع کرنا چاہتے ہیں جو آپ کی مقدس کتاب ان شرائط پر کہتی ہے جس کی ہم تحسین کر سکیں تو ٹھیک ہے۔ لیکن محض اس بنا پر کہ ایسا مقدس کتاب میں کہا گیا ہے، اس سے کوئی بات نہیں بنتی۔ اور اگر آپ کو لگتا ہے کہ یہ بطور ثبوت قابل استعمال ہے تو آپ واضح طور پر گھمنڈی ہیں۔ یہ ایک دھونس والی حرکت ہے، اور ہم اسے قبول نہیں کریں گے۔

ہیرس: اور یہ ایک ایسا قدم ہے جسے، جب کسی دوسرے مذہب کے نام پر کیا جاتا ہے، تو وہ قبول نہیں کرتے۔

ڈینیٹ: بالکل۔

ہچنز: اس معاملے میں، میں آپ سے کچھ پوچھ سکتا ہوں۔ آپ تینوں سے، جو اس معاملے میں مجھ سے زیادہ سمجھ دار ہیں۔ ہم وکٹر اسٹینگر[1] کی کتاب کے بارے میں کیا سوچتے ہیں جو کہتی ہے کہ ہم سائنسی طور پر خدا کے وجود کو غلط ثابت نہیں کر سکتے ہیں؟[1] آپ کا اس بارے میں کیا نظریہ ہے؟

ڈینیٹ: کون سا خدا؟ میں نے کتاب نہیں پڑھی۔

ہچنز: کوئی بھی۔ تخلیق کرنے والا یا نگرانی کرنے والا، یا یقیناً مداخلت کرنے والا خدا۔ میں سمجھتا ہوں بس اتنے ہی ہوتے ہیں۔ میرا ہمیشہ سے یہ خیال رہا ہے کہ چونکہ ہمیں غیر یقینی صورت حال کے ساتھ رہنا پڑتا ہے، چنانچہ صرف وہ جو یقین کے حامل ہیں کمرے سے باہر چلے

---

[1] وکٹر اسٹینگر (1935–2014): امریکی ماہر پارٹیکل فزکس، فلسفی اور پاپولر سائنسی مصنف۔ تصانیف میں شامل ہیں گاڈ: فیلڈ ہائپوتھیسس (*God: The Failed Hypothesis*)۔ ہاؤ سائنس شوز دیٹ گاڈ ڈز ناٹ ایگزسٹ (*How Science Shows that God Does Not Exist*) (نیویارک: پرومیتھیس، 2007)، جس میں انھوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ خدا کے عدم وجود کو سائنسی اعتبار سے ثابت کیا جا چکا ہے۔

اس ترجمے کی اشاعت translationsproject.org پر کی گئی جہاں یہ مفت دستیاب ہے

جائیں کیوں کہ مباحثہ بالغ ہو سکتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ وکٹر اسٹینگر سوچتا ہے کہ اب ہم اس مرحلے پر پہنچ گئے ہیں جہاں ہم معقول اعتماد کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ عدم وجود ثابت ہو چکا ہے۔ یا یہ کہ وجود ثابت نہیں ہوا ہے۔ مجھے ابھی خیال آیا ہے کہ یہ ایک دلچسپ موقف ہو گا۔ کیوں کہ یہ میرے لیے بہت اہمیت رکھتا ہے کہ ہماری رائے غیر یقینی صورت حال سے ہم آہنگ ہو۔

ہیرس: میں سمجھتا ہوں سب سے کمزور کڑی متون کے بارے میں بنیادی دعوی ہے، یعنی یہ تصور کہ ہم بائبل کو ایک خبیر خدا کے کامل کلام کے طور پر جانتے ہیں۔ یہ خاص طور پر ایک کمزور دعویٰ ہے۔ اور واقعتاً یہی ان کے ایپسٹیمولوجیکل معیار کی کسوٹی ہے۔ سب اسی پر منحصر ہے۔ اگر بائبل کوئی طلسمی کتاب نہیں تو عیسائیت کی ہوا نکل جائے گی۔ اگر قرآن طلسمی کتاب نہیں تو، اسلام کی ہوا نکل جائے گی۔ اور جب آپ کتابوں کو دیکھیں اور خود سے پوچھیں، 'کیا اس بات کا ذرا سا بھی ثبوت ملتا ہے کہ یہ خبیر علیم خدا کی جانب سے ہے؟ کیا ان میں ایک جملہ بھی ایسا ہے جو کسی ایسے شخص کے ذریعہ نہ بولا جا سکتا جس کے لیے وہیل بیرو کوئی ابھرتی ہوئی ٹیکنالوجی ہوتی؟' آپ کو کہنا ہو گا نہیں۔ اگر بائبل میں ڈی این اے اور بجلی اور ایسی ہی دوسری چیزوں کا ذکر موجود ہے جو ہمیں حیرت میں ڈال دیں، تو ٹھیک ہے، ہمارے منہ کھلے کے کھلے رہ جاتے اور ہمیں اس علم کے منبع کے بارے میں معقول گفتگو کرنی پڑتی۔ ہچنز: خیر، دنیش ڈیسوزا[1]- ہمارے مخالفین میں سے ایک بہت پڑھے لکھے، فاضل اور تعلیم یافتہ شخص ہیں۔ میں جلد ہی ان سے بحث کرنے والا ہوں۔ اپنی نئی کتاب میں انھوں نے لکھا ہے:[2] وہ کہتے ہیں کہ کتاب پیدائش میں، جس کا لوگ مذاق اڑاتے تھے، کہا گیا ہے، 'روشنی ہو جائے،' اور پھر چند لمحوں کے بعد سورج، چاند اور ستارے بن گئے۔ یہ کیسے ہوا؟ یہ حقیقت میں بگ بینگ کے مطابق ہوا ہے، جو درست بات ہے۔

ڈاکنز: ہاں، لیکن یہ متاثر کن نہیں ہے۔

ہچنز: بگ بینگ کہکشاؤں سے پہلے کا واقعہ ہے، میرا یقین کیجیے۔ [قہقہہ]

ہیرس: میں اس ذہنی سانچے کو 'دی اینڈ آف فیتھ' میں ایک بہت طویل حاشیے میں بیان کروں گا جہاں میں دکھاؤں گا کہ مذہب کی عینک لگا کر آپ کسی بھی متن سے طلسمی بصیرت تلاش کر سکتے ہیں۔ میں ایک بک اسٹور میں کھانے پکانا کی کتابوں کے سیکشن میں چلا گیا اور بے ترتیب انداز میں ایک کتاب اٹھائی اور اس پر ایک کھانے بنانے کی ترکیب دیکھی، میرے خیال میں شاید وہ بھنے ہوئے جھینگے اور او گویا کسی اور چیز کے بارے میں تھی، اور پھر اس ترکیب کی ایک صوفیانہ تعبیر کی۔ کوئی بھی ایسا کر سکتا ہے۔ آپ کسی بھی طرح کے متن کے ساتھ نقطے ملانے کا کھیل کھیل سکتے ہیں اور اس میں بصیرت تلاش کر سکتے ہیں۔

---

[1] دنیش ڈی سوزا (پیدائش 1961): امریکی بھارتی سیاسی مبصر، مصنف اور فلم ساز۔ نیویارک کے ایک عیسائی اسکول، کنگز کالج کے صدر، 2010–12۔

[2] دنیش ڈی سوزا، واٹ از سو گریٹ اباؤٹ کرسچینٹی (*What's So Great About Christianity*) (واشنگٹن ڈی سی: ریگنیری، 2007)

ہچنز: مائیکل شرمر [1] نے یہی کام بائبل کوڈ یعنی بائبل میں موجود پوشیدہ پیغامات پر کیا تھا۔ بہت اچھا۔ آپ اس کی مدد سے جب بھی چاہیں کل کی شہ سرخیاں لکھ سکتے ہیں۔

ہیرس: میرے پاس آپ تینوں کے لیے ایک سوال ہے۔ کیا مذہب کے حق میں کوئی دلیل موجود ہے؟ آپ کے الحاد کو کوئی ایسا چیلنج جس نے آپ کو توقف پر مجبور کر دیا ہو؟ جس نے آپ کو آپ کی ایڑیوں پر کھڑا کر دیا ہو، جب آپ کو لگا ہو کہ آپ کے پاس کوئی تیار جواب نہیں ہے؟

ڈینیٹ: [قہقہہ] مجھے ایسا کچھ یاد نہیں آرہا ہے۔

ڈاکنز: میں سمجھتا ہوں قریب ترین خیال یہ ہے کہ کائنات کے بنیادی مستقلات اتنے شان دار ہیں کہ درست نہیں ہو سکتے۔ اور اس کے لیے مجھے ایک توضیح کی ضرورت پڑتی ہے کہ یہ سچ ہے یا نہیں۔ وکٹر اسٹینگر کا خیال ہے کہ یہ درست نہیں ہیں، لیکن بہت سے طبیعیات دان ایسا سمجھتے ہیں۔ یہ یقینی طور پر مجھے کسی بھی طرح سے تخلیقی ذہانت نہیں لگتی، کیوں کہ تب بھی آپ کو وہ کہاں سے آئے اس کی وضاحت پیش کرنے کا مسئلہ درپیش رہتا ہے۔ اور ایک تخلیقی ذہانت جو کافی حد تک تخلیقی اور ذہین ہستی ہے، جس نے ہماری اٹھان کے لیے ان مستقلات کو نوک پلک سے سنوارا ہے وہ خود اپنے آپ میں انتہائی نفیس ہستی ہونی چاہیے۔

ہچنز: ہمارے نظام شمسی کے تمام دیگر سیاروں کو مردہ کیوں بنایا۔ [قہقہہ]

ڈاکنز: یہ ایک الگ سوال ہے۔

ہچنز: بشپ مونٹیفور [2] اس میں بہت اچھا تھا۔ وہ میرا ایک دوست تھا۔ اس نے کہا کہ آپ کو زندگی اور چاقو کی دھار کی طرح تیز شرائط جن پر وہ ٹکی ہوئی ہے پر غور و فکر کرنا چاہیے گویا چاقو کی دھار پر زندگی چل رہی ہے۔ ہاں، ہمارے سیارے پر ایسی بہت سے حالتیں ہیں، انتہائی گرم یا انتہائی سرد۔

ہیرس: ٹھیک، اور طفیلیوں سے بھرپور۔

ہچنز: یہ نظام شمسی پوری طرح گرم یا پوری طرح ٹھنڈا ہے، اور یہ صرف ایک نظام شمسی ہے، واحد سیارہ جہاں زندگی ہونے کے بارے میں ہم

---

[1] مائیکل شرمر (پیدائش 1954): امریکی سائنسی مصنف اور سائنسی مورخ۔ اسکیپٹکس سوسائٹی کے بانی۔ (23 جولائی 2007) 'مائیکل شیر رڈی کوڈز دی بائبل کوڈ' (Michael Shermer decodes the Bible Code) کے لیے دیکھیے: https://www.youtube.com/ watch?v=Lk3VgQgxiqE

[2] ہیو مونٹیفئور (1920–2005): انگریزی انگلیکن پادری اور عالم۔ بشپ آف کنگسٹن، 1970-8؛ بشپ آف برمنگھم، 1978–1987۔

اس ترجمے کی اشاعت translationsproject.org پر کی گئی جہاں یہ مفت دستیاب ہے

جانتے ہیں۔ ڈیزائنر کی طرح نہیں۔ اور، یقیناً آپ لامحدود رجعت سے باہر نہیں نکل سکتے۔ لیکن رکیے، میں نے اس نوعیت کی کوئی قائل کرنے والی دلیل نہیں دیکھی۔ مجھے اس کی توقع نہیں ہوگی کیوں کہ، جب میں نے ایک شام اس کے بارے میں سوچا تو پایا کہ وہ کبھی بھی کوئی نئی بات نہیں لاتے۔ وہ کیوں لائیں گے؟ تعریف کے لحاظ سے ان کے دلائل بہت پرانے ہیں۔ جب یہ دلائل وضع کیے گئے تھے تب فطری نظام کے بارے میں بہت ہی کم معلومات دستیاب تھیں۔

صرف ایک دلیل ہے جس میں میں کشش محسوس کرتا ہوں ہے۔ اور یہ مذہب کے ساتھ ساتھ وجود خدا کے حق میں بھی ہے۔ اسے میں دافعِ شر (apotropaic) کہوں گا، جب لوگ کہتے ہیں، 'تمام تعریفیں اس کے خدا کے لیے ہیں جس کا ان سب چیزوں کے لیے شکر ادا کرنا واجب ہے۔' یہ درحقیقت انکسار کی ایک شکل ہے جو توہم پرستانہ ہے۔ اسی لیے میں اسے 'دافع شر' کہتا ہوں۔ یہ گھمنڈ کو دفع بھی کرتا ہے۔ ظاہر ہے اسی وجہ سے یہ ماقبل توحید پرستانہ بھی ہے۔ مذہب میرے خیال میں اخلاقی و فکری اعتبار سے لوگوں کو گھمنڈ سے بچنے میں مدد کر سکتا ہے۔

ڈاکنز: لیکن یہ کوئی دلیل نہیں، یہ سچ ہے۔

ہچنز: نہیں، نہیں۔ ایسی دلیل نہ ہے، نہ ہو سکتی ہے۔

ہیرس: شاید مجھے اس سوال کو پھیلانا چاہیے۔

ڈینیٹ: نہیں، ایک منٹ رکیے۔ میں آپ کو متعدد دریافتوں کے بارے میں بتا سکتا ہوں جنھوں نے میرے یقین کی بنیاد ہلا کر رکھ دی ہے۔

ہچنز: ماقبل کیمبرین عہد میں خرگوش[1]

ڈاکنز: نہیں، نہیں۔

ہیرس: میں ایک ایسی دلیل کی تلاش میں ہوں جو مذہبی اعتقاد کے امکان کی بارے میں ہونے کی بجائے یہ سجھائے کہ ہم جو کر رہے ہیں—مذہب کی نکتہ چینی—وہ ایک بری چیز ہے۔

ڈاکنز: اوہ، یہ بہت آسان ہے۔ کوئی شخص یہ دلیل دے سکتا ہے کہ اگر ہر شخص کسی باطل پر یقین کر لے تو دنیا ایک بہتر جگہ بن جائے گی۔

ڈینیٹ: اوہ، وہی۔ بالکل۔

ہیرس: کیا آپ کے کام میں یا آپ کے نقادوں کے ساتھ بات چیت کا کوئی تناظر ہے جہاں آپ کو لگتا ہے کہ ایسی دلیل نے آپ کو توقف دیا ہے؟

---

[1] کہا جاتا ہے کہ جے بی ایس ہیلڈین سے جب پوچھا گیا کہ ارتقا میں اس کے یقین کو کیا چیز متزلزل کر سکتی ہے تب اس نے یہ جواب دیا تھا۔

ڈینیٹ: ہاں۔ جی ہاں۔ بریکنگ دی اسپیل میں تو اتنا نہیں، تاہم جب میں آزاد ارادے پر اپنی کتاب فریڈم اوالوز پر کام کر رہا تھا تو میرا سامنا ان نقادوں سے ہوتا رہا جو بنیادی طور پر کسی مذہبی نظریے کا بہت قریب سے اظہار کر رہے تھے– آزادہ ارادہ (free will) ایک اہم تصور ہے، اگر ہم آزاد ارادے کا تصور ختم کر دیں تو لوگ ذمہ داری کا احساس کھو دیں گے اور ہمارے اندر انتشار پھیل جائے گا۔ آپ اسے زیادہ قریب سے نہ دیکھیں تو بہتر ہو گا۔ اپنی نظریں ہٹائیں۔ آزادانہ ارادے اور جبریت کے اس مسئلے کو زیادہ قریب سے نہ دیکھیں۔ میں نے اس کے بارے میں ماحولیاتی اثرات کے نقطہ نظر سے غور کیا۔ کیا میں اس بات کا تصور کر سکتا ہوں کہ میرا بے لگام تجسس مجھے کچھ ایسا غلط یا صحیح بیان کرنے میں مدد کر سکے جس سے دنیا پر تباہ کن اثرات مرتب ہو جائیں اور مجھے موضوع بدلنا پڑے گا؟ میں سمجھتا ہوں یہ ایک اچھا سوال ہے، جو ہم سب کو پوچھنا چاہیے۔ بالکل! میں نے اس کے بارے میں غور کرتے ہوئے خاصا وقت صرف کیا ہے، میں یہ دونوں کتابیں شائع نہ کراتا اگر میں اس نتیجے پر نہ پہنچتا کہ ماحولیاتی لحاظ سے اس راہ پر آگے بڑھنا محفوظ ہی نہیں بلکہ لازمی ہے۔ میں سمجھتا ہوں آپ کو یہ سوال پوچھنا چاہیے۔ میں نے پوچھا ہے۔

ڈاکنز: کتاب شائع کرنے سے پہلے، لیکن اپنے بارے میں فیصلہ کرنے سے پہلے نہیں 'کیا میں سمجھتا ہوں کہ یہ سچ ہے یا نہیں؟' کسی کو وہ نہیں کرنا چاہیے جو بعض سیاسی ذہن والے ناقدین اکثر کرتے ہیں، یعنی یہ کہنا کہ 'یہ سیاسی طور پر اس قدر ناگوار ہے کہ سچ نہیں ہو سکتا۔'

ڈینیٹ: اوہ، ہاں۔

ڈاکنز: جو ایک مختلف—

ڈینیٹ: جو بالکل ایک مختلف چیز ہے۔ بالکل نہیں، نہیں۔

ہچنز: یہ اس دریافت کے مترادف ہو گا کہ آپ سوچیں کہ سفید فام اور سیاہ فام افراد کی ذہانت کی bell curve ان کے آئی کیو کی درست ترجمانی ہے۔ آپ کہتے، 'اب میں کیا کروں؟' خوش قسمتی سے یہ سوالات کبھی اس طرح سامنے نہیں آتے۔

ہیرس: میں آپ کو ایک ایسی جگہ کا بتاتا ہوں جہاں یہ مجھے پیش آیا تھا۔ میرے خیال میں یہ لاس اینجلس ٹائمز میں شائع ہونے والا مضمون تھا، ہو سکتا ہے مجھے مغالطہ ہوا ہو۔ کسی نے یہ استدلال کیا تھا کہ جس طرح مغربی یورپ کی مسلم آبادی بنیاد پرست بنائی گئی ہے اس طرح امریکہ میں نہیں ہوا ہے، یہ بڑی حد تک اس حقیقت کا نتیجہ ہے کہ ہم اپنے ڈسکورس میں مذہب کا بہت احترام کرتے ہیں جس سے یہ برادری مغربی یورپ کی طرح محصور اور شکایت سے بھری ہوئی نہیں ہے۔ مجھے نہیں معلوم کہ یہ بات کتنی سچ ہے تاہم اگر یہ سچ ہوتی تو میں ایک لمحے کا توقف کرتا۔

اس ترجمے کی اشاعت translationsproject.org پر کی گئی جہاں یہ مفت دستیاب ہے

ہچنز: یہ بات دلچسپ ہے۔ جیمز وولفنسون[1] عالمی بینک سے وابستہ تھے، حال ہی میں غزہ میں مذاکرہ کار تھے، وہ کہتے ہیں کہ وہ ایک آرتھوڈوکس یہودی تھے اور ہمیشہ سے ان پر اخوان المسلمین اور حماس کے اثرات رہے ہیں۔ اگر ایسا ہے تو مجھے لگتا ہے کہ یہ بہت خراب بات تھی۔ انھیں سرے سے اس عہدے پر رکھنا ہی نہیں چاہیے تھا۔ کیوں کہ ہم اس تنازعے کے بارے ایک بات مطلق طور پر جانتے ہیں کہ اس معاملے کو توحید پرستوں نے انتہائی بگاڑ کے رکھ دیا ہے۔ اگر یہ محض کوئی قومی یا علاقائی تنازعہ ہوتا تو اب تک حل ہو چکا ہوتا۔ لیکن جس اطمینان سے انھوں نے یہ بیان دیا ہے، اگر یہ درست ہے، تو میں ان کا اور زیادہ مخالف ہو جاؤں گا۔

[1] جیمز وولفنسون (پیدائش 1933): آسٹریلیائی امریکی وکیل، ماہر فنانس اور ماہر معاشیات۔ ورلڈ بینک گروپ کے صدر، 1995–2005؛ غزہ دستبرداری کے لیے اقوام متحدہ / کوآرٹیٹ کے خصوصی ایلچی، 2005–6۔

حصہ II

ہیرس: یہاں دو مسائل ایک دوسرے میں ضم ہو رہے ہیں۔ ایک یہ کہ 'ہم کیا حاصل کرنا چاہتے ہیں؟' معقول طور پر ہم پانے کے بارے میں سوچتے ہیں؟ اور پھر عقیدے کی یہ دفعہ ہے جو بد قسمتی سے لوگوں کے درمیان رائج ہے، بلکہ ہمارے نقطہ نظر کے حامل افراد کے درمیان بھی، کہ آپ کسی سے بحث کر کے اس کا عقیدہ نہیں بدل سکتے۔

تو کیا یہ مشق ثمر آور ہے؟ یا کیا ہم واقعی افراد سے نظریات کی جنگ جیت سکتے ہیں؟ میرے ای میل سے اندازہ کریں تو ہم یہ کر سکتے ہیں۔ میں ان افراد سے مستقل طور پر ای میل سے رابطے میں ہوں جو اپنا مذہب کھو چکے ہیں اور در حقیقت بحث کے ذریعے اس قید سے باہر آئے ہیں۔ اونٹ کی کمر کو توڑنے والا تنکا یا تو ہماری کوئی کتاب رہی یا کوئی دوسرا استدلال، یا پھر وہ باتیں جنھیں وہ سچ جانتے تھے تاہم ان کا مذہب جو بتاتا تھا اس کے درمیان عدم مطابقت تھی۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں یہ حقیقت آشکار کرنا ہو گی کہ افراد کو ان کے مذہب کے داخلی تضادات یا کائنات کے بارے میں مذہب اور ہمارے انکشافات کے تضادات دکھائے جا سکتے ہیں۔ یہ عمل منٹوں میں بھی ہو سکتا ہے اور اس میں مہینوں یا برسوں بھی لگ سکتے ہیں، لیکن وہ معلوم صداقتوں کے سامنے اپنی توہم پرستی کو ترک کر کے رہیں گے۔

ڈاکنز: میری ایک بہت ہی نفیس ماہر حیاتیات سے بحث ہو رہی تھی جو ارتقا کا شاندار شارح ہے لیکن پھر بھی خدا پر یقین رکھتا ہے[1]۔ میں نے اس سے کہا، 'آپ یہ کیسے کر سکتے ہیں؟ یہ سب کیا ہے؟' تو اس نے جواب دیا، 'میں آپ کے تمام عقلی دلائل کو قبول کرتا ہوں۔ تاہم، یہ ایمان ہے۔' اور پھر اس نے مجھ سے ایک بہت اہم بات کہی: 'اسے ایمان کہے جانے کی کوئی وجہ تو ہے!' اس نے یہ بات بہت فیصلہ کن اور تقریباً جارحانہ انداز میں کہی: 'کوئی تو وجہ ہے کہ یہ ایمان ہے۔' اور یہی اس کے نزدیک آخری حقیقت تھی۔ آپ اس پر بحث نہیں کر سکتے، کیوں کہ یہ ایمان ہے۔ اس نے یہ کسی معذرت خواہانہ انداز کی بجائے فخر اور

---

[1] اکینتھ آر ملر (پیدائش 1948)، براؤن یونیورسٹی کے بایولوجی کے پروفیسر اور روئس پروفیسر فار ٹیچنگ ایکسیلنس۔

اس ترجمے کی اشاعت translationsproject.org پر کی گئی جہاں یہ مفت دستیاب ہے

دفاع کے ساتھ کہا۔

ہچنز: یہی بات شمالی امریکہ میں آپ کو ہر وقت کچھ لوگ کہیں گے آپ ولیم جیمز[1] کو پڑھیں اور دوسرے افراد کے موضوعی تجربات پر فیصلہ دینے کے قابل بنیں، جو ایسی بات ہے جو تعریف کی رو ہی سے محال ہے۔ 'اگر یہ ان کے لیے حقیقت ہے تو آپ اس کا احترام کیوں نہیں کرسکتے؟' یہ استدلال کسی بھی دوسرے میدان میں قابل قبول نہیں ہو گا۔

لوگ جس تاثر سے دوچار ہیں وہ ان کے لیے اہم بات ہوتی ہے۔

میری اورنج کاؤنٹی میں ایک سینئر پریسبیٹیرین سے بحث ہوئی۔ چوں کہ ہم بائبل پر لٹریچر کے موضوع پر بات کر رہے تھے جس کے وہ شارح تھے، اس لیے میں نے ان سے پوچھا، 'میتھیو کے مطابق، تصلیب کے وقت قبریں کھلنے کا کیا معاملہ ہے؟ یہ کیسی بات ہے کہ ہر شخص یروشلم میں اپنی قبر سے نکل کر شہر میں اپنے پرانے دوستوں کو سلام کرتے ہوئے گھوم رہا تھا؟' مجھے اس سے پوچھنا تھا، 'کیا اس سے یسوع کے پھر سے زندہ ہونے کا تصور ماند نہیں پڑتا؟' تاہم انھوں نے میرے مقصد کو غلط سمجھا: انھوں نے سوچا کہ میں جاننا چاہتا ہوں کہ آیا وہ اس بات پر ایمان رکھتا ہے کہ ایسا ہوا تھا۔ انھوں نے کہا کہ بطور مورخ، جو وہ تھے، وہ اس پر شک کرنے پر آمادہ تھے، تاہم ایک پریسبیٹیرین منسٹر کی حیثیت سے یہ بات سچ ہے۔ تو ٹھیک ہے پھر۔ میرے نزدیک، کہنے کے لیے یہی کافی تھا۔ میں نے کہا، 'تو میں اپنی بات ختم کرتا ہوں۔ اب میں آپ سے مزید کچھ کہنا نہیں چاہتا۔ جو مجھے کہنا تھا آپ نے خود ہی کہہ دیا۔'

ہیرس: ایک اور موتی ہے جو میں یہاں پیش کرنا چاہتا ہوں۔ یہ مظہر عجیب ہے، فرانسس کولنز جیسوں کی مثال یا اس ماہر حیاتیات کی مثال سامنے ہے جس کا آپ نے ابھی ذکر کیا– کوئی فرد جس کے سامنے کافی حقائق موجود ہوں، کافی سائنسی تعلیم حاصل کر چکا ہے، بہتر جانتا ہے پھر بھی کچھ نہیں جانتا، یا بہتر نہیں جاننے کا اعتراف کرلیتا ہے۔

میں سمجھتا ہوں یہ ایک ثقافتی مسئلہ ہے۔ یہ نتیجہ میں نے ایک بحث کے دوران اخذ کیا۔ بحث کے اختتام پر فزکس کا ایک پروفیسر میرے پاس آیا اور مجھے بتایا کہ وہ اپنے ایک فارغ التحصیل طالب علم کو ساتھ لایا ہے جو ایک کٹر عیسائی تھا اور میری گفتگو سے خاصا لرز اٹھا تھا، مجھے پتہ چلا کہ پہلی بار اس کے ایمان کو اس طرح کھلے طور پر چیلنج کیا گیا تھا۔ تو یہ کہنا بظاہر سچ ہے کہ آپ سائنس دان بننے کے نصاب کا مطالعہ کرسکتے ہیں پھر بھی ہوسکتا ہے کہ کبھی آپ کے عقیدے کو کوئی چیلنج نہ ملے، کیوں کہ یہ چیلنج شجر ممنوعہ ہے۔

مسلم دنیا کو لیں جہاں ایسے انجینئر موجود ہیں جو ایٹمی بم بناسکتے ہیں پھر بھی ان کا خیال ہے کہ جنت میں جانا اور ستر حوریں

---

[1] ولیم جیمز (1842–1910): امریکی فلسفی اور ماہر نفسیات۔ دی ورائٹیز آف ریلیجیس ایکسپیرینسز کے مصنف (نیویارک: لانگ مینز، گرین اینڈ کو، 1902)۔

حاصل کرنا قرین قیاس امر ہے۔ اور ہمارے پاس فرانسس کولنز جیسے لوگ ہیں جو سمجھتے ہیں کہ اتوار کے روز آپ شبنمی گھاس پر گھٹنے ٹیک کر خود کو یسوع کے حوالے کر سکتے ہیں کیوں کہ آپ اس دن منجمد آبشار کا نظارہ کر رہے ہیں اور پیر کے روز آپ ماہر جینیات بن سکتے ہیں۔

ہچنز: ہمارے دوست پرویز ہود بھائی[1] کے مطابق جو پاکستان کے عظیم ماہر فزکس ہیں ایسے بھی لوگ موجود ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ آپ جنات اور شیطانوں کی طاقت استعمال کر کے جوہری ری ایکٹر کے لیے اپنی طاقت بڑھا سکتے ہیں۔

ہیرس: اس طرح کے منصوبوں پر فنڈنگ کرنا بہت پر کشش ہے۔

ڈینیٹ: میں سمجھتا ہوں لوگوں کے ایمان کو متزلزل کرنا ہماری سوچ سے کہیں زیادہ آسان کام ہے۔ اس پر ایک طویل عرصے سے تعطل رہا ہے۔ ہم صرف ایک نئی لہر کا آغاز کر رہے ہیں، اور یہ ثمر آور بھی ہو رہی ہے۔ اس میں جو رکاوٹیں ہیں وہ یہ نہیں کہ ہمیں حقائق یا دلائل دستیاب نہیں ہیں۔ بلکہ اصل رکاوٹ وہ حکمت عملی ہے جو حقائق کا اعتراف کرنے، انھیں تسلیم کرنے، خود سے اعتراف کرنے، عوامی طور پر اعتراف کرنے میں مانع ہے اس لیے کہ آپ کے اہل خانہ اسے دھوکہ دہی پر محمول کریں گے۔ آپ کو یہ تسلیم کرنے میں شرمندگی ہوتی ہے کہ آپ اتنے لمبے عرصے سے اس خیال کے زیر اثر ہیں۔

میرے خیال میں اس بات کا اعلان کرنے کے لیے زبردست جرأت کی ضرورت ہے کہ آپ نے سب کچھ تج دیا۔ اور اگر ہم لوگوں کی ہمت بندھانے میں ان کی مدد کرنے کے طریقے ڈھونڈ سکیں اور انھیں بتا سکیں کہ انھوں نے بالکل صحیح کام کیا ہے اور وہ ٹھیک ہیں—شاید انھیں اپنے والدین کی شفقت سے محروم ہونا پڑا ہو، یا ایسا ہی کچھ اور، شاید ان کے اس عمل سے خاندان کے کچھ افراد کو تکلیف پہنچی ہو۔ پھر بھی ان کی حوصلہ افزائی کرنا اچھی بات ہو گی۔ مجھے نہیں لگتا کہ ہمیں یہ فرض کر لینا چاہیے کہ ہم ایسا نہیں کر سکتے ہیں، میرے خیال میں ہم یہ کر سکتے ہیں۔

ڈاکنز: ہاں، اور یہ کہنا مربیانہ ہو گا کہ ہم نہیں کر سکتے۔ دوسری طرف، میں سمجھتا ہوں کہ ہم سب ایسے افراد کو جانتے ہیں جو سیم کے بقول دو خانوں میں بٹے ہوئے ذہنی رویے کے حامل ہیں اتوار کے روز ایک بات پر یقین رکھتے ہیں اور پھر باقی ہفتے میں بالکل متضاد یا غیر موافق باتوں پر۔ اور میرے خیال میں اعصابی طور پر یہ کوئی بیماری نہیں۔ کوئی وجہ نہیں ہے کہ کسی کا دماغ اس طرح خانوں میں منقسم نہ ہو۔

---

[1] پرویز ہود بھائی (پیدائش 1950): پاکستانی جوہری ماہر طبیعیات؛ پاکستان میں آزادی رائے، تعلیم اور سیکولرازم کو فروغ دینے والے۔

اس ترجمے کی اشاعت translationsproject.org پر کی گئی جہاں یہ مفت دستیاب ہے

ڈینیٹ: یہ مخصوص اعتبار سے غیر مستحکم بات ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ یہ کہنے میں بجا ہیں کہ لوگ ایسا کرتے ہیں، وہ کامیابی سے ایسا کر رہے ہیں۔ وہ ایسا اس سے اپنی توجہ ہٹاتے ہوئے کرتے ہیں۔ آیئے توجہ دینا شروع۔

ڈاکنز: لیکن آپ اپنے تضادات کے ساتھ کیسے زندگی گزار سکتے ہیں؟

ڈینیٹ: یہ بھول کر کہ آپ یہ کر رہے ہیں اور اس پر توجہ نہ دے کر کہ آپ ایسا کر رہے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ میں اس کے لیے ایک یادگار فقرہ یا اصطلاح ایجاد کر دوں جو ان کے ذہنوں میں اس وقت میں بلا رکاوٹ آئے جب وہ خود کو ایسا کرتے ہوئے پائیں۔ پھر وہ سوچیں گے، 'اوہ، یہ وہی کائناتی منتقلی جس کے بارے میں ڈینیٹ، ڈاکنز، ہیرس اور ہچنز بات کر رہے تھے۔ اوہ، ٹھیک ہے! ان کے نزدیک یہ کسی طرح کی نازیبا حرکت ہے۔' اس سے ان کے اندر معمولی سی مزید آگاہی پیدا ہو گی کہ یہ کیسی عجیب چیز ہے جو وہ کر رہے ہیں۔

ہچنز: مجھے کہنے دیجیے کہ میرے خیال میں روزمرہ زندگی میں بقا کے لیے تھوڑا سا ادراکی انتشار ضروری ہے۔ ہر شخص تھوڑا بہت ایسا کرتا ہی ہے۔

ڈینیٹ: آپ کا مطلب ہے کہ ادراکی انتشار برداشت کر لینا چاہیے؟

ہچنز: نہیں، میرا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص اس پر عمل پیرا ہوتا ہے۔ کسی ایسے شخص کو لیجیے جو MoveOn.org[1] کا رکن ہے۔ اس کے خیال میں ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی حکومت ظالمانہ، عسکریت پسند، اور سامراجی نظام پر مبنی ہے۔ یہ غریبوں کو کچلتی ہے اور دوسرے ملکوں پر حملہ کرتی ہے۔ لیکن وہ اپنا ٹیکس ادا کرتے ہیں اور بہت ہی کم ایسا ہوتا ہے جب وہ نہ کرتے ہوں۔ وہ اپنے بچوں کو [پبلک] اسکول میں بھیجتے ہیں۔ وہ اپنا کام کرتے ہیں۔

آپ جانتے ہیں وہ ہمہ وقت ایسا نہیں کرتے گویا جس پر انھیں یقین ہے اس کا دس فیصد سچ ہے۔ جزوی طور پر اس لیے کہ یہ ناممکن ہے۔ مثلاً، 1950 کی دہائی میں جان برچ سوسائٹی کے ممبر تھے جن کا خیال تھا کہ صدر آئزن ہاور کمیونسٹ تھے۔ ٹھیک؟ آپ صبح اٹھتے ہیں، ہر چند کہ آپ کو یقین ہے کہ وہائٹ ہاؤس کریملن کے اشاروں پر چلتا ہے۔ تب بھی آپ اٹھ کر باہر سے سودا سلف لاتے ہیں اور معمول کے سارے کام انجام دیتے ہیں۔

ہیرس: بہت سارے کام جنھیں نپٹانا ضروری ہے۔ بالکل۔

ڈاکنز: آپ کو جا کر انھیں پورا کرنا پڑتا ہے۔

---

[1] امریکی عوامی پالیسی کی حمایت کا گروپ، قیام 1998۔

ہچنز: لیکن آپ کو یقین کے معاملے میں چیلنج نہیں کیا جاسکتا۔ یہ آپ کے لیے بہت اہمیت رکھتا ہے۔ آپ کی زندگی میں، حقیقی زندگی میں، اپنی رائے پر چلنے یا اس پر عمل کرنے کا کوئی راستہ نہیں ہوگا۔ اور مجھے یقین ہے کہ ان افراد کے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ ہے جو کہتے ہیں، 'مجھے واقعی ایک بچے پر دوسرے کو ترجیح نہیں دینی چاہیے، یا ماں باپ میں سے کسی کے ساتھ امتیازی سلوک نہیں کرنا چاہیے، لیکن میں ایسا کرتا ہوں۔ میں ایسی اداکاری نہیں کروں گا گویا میں کرتا ہوں۔' اسی طرح کے کام۔ سینیٹر کریگ[1] کا یہ کہنا کہ وہ ہم جنس پرست نہیں ہیں۔ اپنے ذہن میں یہ سوچتے ہوئے کہ انھیں پوری طرح یقین ہے کہ وہ ہم جنس پرست نہیں ہیں، تاہم، وہ یہ کہہ کر اپنی زندگی نہیں چلاسکتے کہ وہ ہیں یا نہیں ہیں۔

تو میں جو سوال پوچھنا چاہتا تھا وہ یہ تھا۔ ہمیں خود سے پوچھنا چاہیے کہ ہمارا اصل مقصد کیا ہے؟ کیا ہم حقیقت میں ایسی دنیا دیکھنا چاہتے ہیں جو عقیدے کے بغیر ہو؟ میں سمجھتا ہوں میرا اپنا جواب ہوگا کہ نہیں۔ مجھے ایسی توقع یا خواہش نہیں ہے۔

ہیرس: آپ کا عقیدے سے کیا مطلب ہے؟

ہچنز: عقیدہ، جب بھی اس میں کمی ہو یا کوئی اور چیز اس کی جگہ لے لے یا اس سے مکر جایا جائے، تو مجھے لگتا ہے کہ یہ عمل انتہائی تیز رفتاری سے پھیلتا ہے، میرا خیال ہے فرائڈی وجوہ کی بنا پر ایسا معدوم یا ختم ہونے کے خوف کی وجہ سے ہوتا ہے۔

ہیرس: آپ کی مراد مافوق الفطرت اشیا پر عقیدے سے ہے؟

ہچنز: ہاں۔ خوش عقیدگی۔ اور پھر دوسری بات یہ ہے: کیا میں سب کے ہار ماننے پر اس بحث کو ختم کرنا چاہوں گا، 'ہچنز نے یہ دور جیت لیا۔ اب دنیا میں کوئی بھی خدا پر یقین نہیں کرتا؟'

اب، اس منظر کا تصور کرنے سے قاصر ہونے علاوہ، [قہقہہ] میں ابھی تک مکمل طور پر نہیں مانتا کہ میں یہی چاہتا ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اسے علمیات، فلسفہ، حیاتیات وغیرہ کے سبھی دلائل کی بنیاد پر جانچنے کی بجائے یہ غور کیا جائے کہ یہی چیز ہے جس کے خلاف آپ ہمیشہ بحث کرتے ہیں۔ یہ دوسری وضاحت ہے۔

ڈاکنز: میرے لیے یہ کہنا غیر معمولی بات ہے۔ میں نہیں سمجھ سکا آپ کیا کہہ رہے ہیں۔ میرا مطلب ہے، میں یہ تو سمجھ گیا ہوں کہ آپ کہہ رہے ہیں یہ کبھی کام نہیں کرے گا، لیکن میں یہ سمجھنے سے قاصر ہوں کہ آپ ایسا کیوں نہیں چاہیں گے۔

---

[1] لیری کریگ (سن 1945): سابقہ امریکی ریپبلکن سینیٹر برائے آئیڈاہو (1991–2009)۔ جون 2007 میں 'فحش رویے' کے الزام میں گرفتار ہوئے؛ اس کے بعد 'بے ترتیب رویے' کے کم الزامات تحت جرم ثابت ہوا؛ انھوں نے کہا تھا کہ وہ ہم جنس پرست نہیں تھے اور نہ ہی کبھی رہے۔

اس ترجمے کی اشاعت translationsproject.org پر کی گئی جہاں یہ مفت دستیاب ہے

ہچنز: کیوں کہ–میرے خیال میں،ہکسلے[1] اور ولبر فورس[2] یا ڈیرو[3] اور ولیم جیننگز برائن، کے درمیان ہونے والے مباحثے کی طرح–مجھے بحث کو جاری رکھنا چاہیے۔

ڈاکنز: کیوں کہ یہ دلچسپ ہے۔

ہچنز: میں چاہتا ہوں کہ ہمارا رخ مزید بہتر ہو اور ان کا اور زیادہ بے نقاب ہوجائے۔ تاہم میں نہیں سمجھتا کہ یہ ایک ہاتھ سے تالی بجاکر ہوسکتا ہے۔

ہیرس: کیا آپ نہیں چاہتے کہ جہادیوں کے ساتھ بحث چلتی رہے؟

ہچنز: نہیں، مجھے جہادیوں سے کوئی اختلاف رائے نہیں ہے۔

ہیرس: ان کے منصوبے کے معتبر ہونے کے لحاظ سے آپ کو اختلاف ہے۔

ہچنز: نہیں، واقعی نہیں۔ اس پر بحث کرنے کے لیے کچھ ہے ہی نہیں۔ میرا مطلب ہے کہ یہ ایک سادہ سی بات ہے: میں چاہتا ہوں کہ ان کو جڑ سے اکھاڑ دیا جائے۔ یہ میرا خالص حیوانی نوعیت کا ردعمل ہے، یعنی اپنی بقا کو یقینی بنانے کے لیے کسی دشمن کو تباہ کرنے کی ضرورت کا ادراک، مجھے کوئی دلچسپی نہیں کہ وہ کس طرح سوچتے ہیں۔

ہم ابھی اسلام کے تعلق سے آپ کے سوال پر نہیں آئے ہیں، مجھے جہادیوں کے خیالات سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ مجھے صرف ان کو ختم کرنے کے طریقوں کو بہتر بنانے میں دلچسپی ہے۔ ایک ایسا کام جس کے لیے، ویسے بھی، کسی کو بہت کم سیکولر حمایت ملتی ہے۔

ہیرس: ہاں، یہ بات قابل ذکر ہے۔

ہچنز: زیادہ تر ملحدین یہ لڑائی نہیں چاہتے ہیں۔ سب سے اہم وہ بات ہے جس سے وہ جی چراتے ہیں۔ اس سے زیادہ تو انھیں اس بات میں دلچسپی ہے کہ بلی گراہم[4] پر نزلہ گرادیں کیوں کہ وہ جانتے ہیں کہ اس میں کوئی خطرہ نہیں۔

ڈینیٹ: میں سمجھتا ہوں کہ چونکہ ان افراد کو معدوم کرنے کا خیال گھناؤنا ہے ہم سمجھتے ہیں کہ اس کے علاوہ–

---

[1] تھامس ہنری ہکسلے (1825–95): انگریزی ماہر حیاتیات اور ڈارون کے نظریہ ارتقا کے حامی، آکسفورڈ میں برطانوی ایسوسی ایشن کے ذریعے منعقدہ کردہ مباحثے میں انھوں نے سیموئیل ولبر فورس کی مخالفت میں بحث میں حصہ لیا تھا۔

[2] سیموئیل ولبر فورس (1805–73): انگلیکن پادری؛ 1845 سے آکسفورڈ کے بشپ؛ نظریہ ارتقا پر 1860 کی بحث میں حصہ لیا اور ڈارون کے اس دعوے کی مخالفت کی کہ انسانوں اور بندروں کے مشترکہ اجداد ہیں۔

[3] کلیرنس ڈیرو (1857–1938): امریکی وکیل؛ 1925 کے 'اسکوپس ٹرائل' میں برائن کے خلاف جان اسکوپس کا دفاع کیا

[4] بلی گراہم (1918–2018): امریکی جنوبی بپٹسٹ منسٹر اور ایونجلسٹ، وسیع انڈور اور آؤٹ ڈور ریلیوں کے لیے مشہور جس میں وہ تبلیغ کرتے تھے۔

ہچنز: نہیں، میں نے کہا تھا کہ جڑ سے اکھاڑ پھینکیں۔

ڈینیٹ: جڑ سے اکھاڑ دیں۔

ہچنز: جہادی قوتوں کی مکمل تباہی۔

میں سمجھتا ہوں، معدومیت انواع پر زیادہ لاگو ہوتی ہے۔

ڈاکنز: ، لیکن کرسٹوفر، آپ کے نکتے پر واپس آتے ہیں: ایسا لگتا ہے کہ آپ کو بحث پسند ہے۔ آپ کو، کم و بیش تھیٹر کی طرح، ایک علمی بحث چاہیے جس میں ہار ہو جائے۔

ہچنز: میں اس کی بجائے 'جدلیاتی' بحث کہوں گا، رچرڈ۔ دوسرے لفظوں میں، فرد دوسروں سے بحث کر کے سیکھتا ہے۔ اور میرے خیال میں اسی تناظر میں ہم چاروں نے اپنی صلاحیتوں کو بہتر بنایا ہے۔

ڈاکنز: لیکن استدلال کے لیے اور بھی بہت سی چیزیں ہیں۔ مذہب کے خلاف جنگ جیتنے کے بعد، ہم سائنس یا ہم جس پر بھی عمل پیرا ہیں اس پر واپس آسکتے ہیں، اور ہم اس پر بحث و استدلال کر سکتے ہیں۔ اور بہت سی بحثیں موجود ہیں جو ہیں، جو واقعی قابل قدر ہیں، جو ہونا ضروری ہیں۔

ہچنز: ہمیشہ ایسا ہی رہے گا کہ کچھ لوگ اپنی حمایت حیاتیات کے قوانین سے منسوب کریں گے اور کچھ لوگ خدائی منصوبے سے جس میں ان کے لیے کوئی اسکیم موجود ہے۔

ڈاکنز: یہی تو—

ہچنز: میں سمجھتا ہوں آپ لوگوں کے تصورات سے ان کے بارے میں بہت کچھ بتا سکتے ہیں۔ جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں، ان تصورات میں سے صرف ایک ہی قابل فہم ہے۔ لیکن ہم یہ کیسے جانیں؟ کیوں کہ ہمیں اس کا موازنہ اس کے کسی ایسے مخالف تصور کے ساتھ کرنا ہو گا جو ختم نہ ہونے والا ہو۔

ہیرس: مجھے یہاں ایک تمثیل پیش کرنے دیں۔ آپ ماضی قریب میں جادو کے بارے میں یہی بات کہہ سکتے ہیں۔

ہچنز: ہاں۔

ہیرس: آپ کہہ سکتے ہیں کہ ہر ثقافت میں جادو پر یقین رہا ہے، جادو کے اثرات پر یقین، جادو ہر جگہ ہے اور ہم اس سے کبھی

اس ترجمے کی اشاعت translationsproject.org پر کی گئی جہاں یہ مفت دستیاب ہے

چھٹکارا پانے والے نہیں ہیں۔ اس سے چھٹکارا پانے کی ہماری کوشش بھی احمقانہ ہے۔ یا ہم صرف جدلیاتی معاملے کی حیثیت سے کوشش کر سکتے ہیں، جادو ہمیشہ ہمارے ساتھ رہے گا۔ اس کے باوجود جادو، بغیر کسی استثنا کے ختم ہو چکا ہے۔ میرا مطلب ہے کہ آپ کو کچھ ہی برادریاں ملیں گی جہاں—

ہچنز: بالکل نہیں۔ بالکل بھی نہیں۔ جادو مکمل طور پر ناقابل انسداد ہے اور خودرو گھاس کی طرح پھیلتا ہے، مظاہر پرستوں اور عیسائیوں کے درمیان۔

ڈینیٹ: مغربی دنیا میں نہیں۔

ہیرس: میری مراد کھلے جادو سے ہے۔ بری نظر والا جادو، بجائے دوا والے جادو کے۔

ہچنز: آپ کو لگتا ہے کہ آپ اس سے جان چھڑا چکے ہیں؟

ہیرس: بنیادی طور پر، ہم اس سے چھٹکارا پا چکے ہیں۔ جی ہاں۔

ڈاکنز: خیر، کیا آپ اس سے چھٹکارا نہیں پانا چاہتے؟

ہچنز: ابھی ایک مہم چلائی جا رہی ہے کہ وکنز کو آرلنگٹن کے قبرستان میں دفن کرنے کے لیے رجسٹر کروایا جائے۔

ہیرس: میں پڑوسیوں کو مارنے کی خواہش کے بارے میں بات کر رہا ہوں کیوں کہ آپ کے خیال میں ایسی کوئی علت ہے جس کے ذریعہ مذموم نیت سے آپ فصلوں کو نفسیاتی طور پر تباہ کر سکتے ہیں یا آپ کے بچے پر بری نظر ڈال سکتے ہیں۔ یہ میڈیکل سائنس سے لاعلمی کی وجہ سے ہے۔

ہچنز: ہاں، ایسا ہوتا ہے۔

ہیرس: لوگوں کو نہیں معلوم کہ وہ بیمار کیوں پڑتے ہیں، پھر وہ اپنے پڑوسی پر بری نیت کا شک کرتے ہیں۔ رہی سہی کسر جادو پوری کر دیتا ہے۔

ہچنز: اس صورت میں، میں یہ نہیں کہوں گا کہ کوئی بھی اس کے بغیر رہنا نہیں چاہتا تھا، ہم نے بحث کرنے کے لیے ایک دلچسپ چیز گنوا دی۔

ہیرس: لیکن ہم طبی طور طریقوں میں جادوگروں کی مداخلت کے دعووں کے بارے میں بات نہیں کر رہے ہیں۔ اس میں متبادل طب اور ایکوپنکچر کو نہ لائیں۔ میں حقیقی جادو، ازمنہ وسطی کے جادو کے بارے میں بات کر رہا ہوں۔

ہچنز: میں بھی وہ ہی کہنے والا تھا۔ واشنگٹن پوسٹ ہر روز ہوروا سکوپ شائع کرتا ہے۔

ہیرس: علم نجوم بھی علیحدہ معاملہ ہے۔

ڈینیٹ: جی ہاں، لیکن علم نجوم ایک—

ہچنز: اسے اس بحث سے باہر رکھتے ہیں، علم نجوم کبھی ختم نہیں ہونے والا ہے۔

ڈینیٹ: ٹھیک ہے۔ لیکن اسے ختم کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

ڈاکنز: لیکن آپ اس میں ابہام پیدا کر رہے ہیں کہ آیا اس کا خاتمہ ہو گا یا آیا آپ چاہتے ہیں کہ اس کا خاتمہ ہو۔ لگتا ہے کہ آپ نہیں چاہتے کہ اس کا خاتمہ ہو کیوں کہ آپ کو بحث کرنے کے لیے کوئی موضوع چاہیے جس سے آپ اپنی مباحثے کی صلاحیت کو تیز کر سکیں۔

ہچنز: ہاں، میرے خیال سے میں یہی چاہتا ہوں۔

ڈینیٹ: حقیقت میں، اس کے خاتمے کے بارے میں سوچنے کی بجائے، کیوں نہ اس طرح سوچیں جیسے کوئی ارتقا پسند ماہر امراض سوچتا ہے، ہم avirulence کے ارتقا کو فروغ دینا چاہتے ہیں۔ ہم اس کی نقصان دہ قسم سے چھٹکارہ پانا چاہتے ہیں۔ مجھے علم نجوم کی کوئی پروا نہیں۔ مجھے نہیں لگتا کہ یہ نقصان دہ ہے۔ میرا مطلب ہے، جب ریجن مبینہ طور پر فیصلہ سازی کے لیے علم نجوم پر تکیہ کرتا تھا تو یہ بات تھوڑا خوف زدہ کرنے والی تھی۔ لیکن اس طرح کے معاملوں سے قطع نظر، میں سمجھتا ہوں کہ یہ توہم کہ علم نجوم اہم ہے، نسبتاً بے ضرر ہے۔ اگر ہم دوسری پرجوش چیزوں کو علم نجوم کے درجے پر لے آئیں تو مجھے خوشی ہو گی۔

ہچنز: دیکھیے، آپ کو میرا جواب پسند نہیں۔ لیکن میرے خیال میں سوال یہ ہونا چاہیے—جو ہم سے پوچھا جائے گا، مجھ سے ٹی وی پر آج پوچھا بھی گیا— کہ 'کیا آپ کی خواہش ہے کہ آج صبح امریکہ میں کوئی بھی چرچ نہ جائے؟'

ڈینیٹ: آپ کا کیا جواب تھا؟

ہچنز: میں نے اپنا جواب دے دیا ہے، رچرڈ کو اس سے اتفاق نہیں ہے۔ آج صبح میں نے اس کا جواب یہ دیا کہ میں سمجھتا ہوں کہ لوگ جھوٹی تسلی کے بغیر بہت بہتر ہوں گے، میں نہیں چاہتا کہ وہ مجھ پر اپنے عقائد تھوپنے کی کوشش کریں۔ اگر وہ چرچ جانا ترک کر دیں تو یہ ان کا مجھ پر اور خود ان پر احسان ہو گا۔ شاید اس لحاظ سے میں نے خود اپنی تردید کر دی۔ یعنی میری

اس ترجمے کی اشاعت translationsproject.org پر کی گئی جہاں یہ مفت دستیاب ہے

خواہش ہے کہ وہ ترک کریں، تاہم پھر مجھ سے بحث کرنے والا کوئی نہیں بچے گا۔ میں نے یہ نہیں کہا کہ میں سمجھتا ہوں اگر وہ میری بات سنیں گے تو چرچ جانا چھوڑ دیں گے۔ ٹھیک ہے؟ یہاں دو سوالات پیدا ہوتے ہیں: میں یہ سننا پسند کروں گا: کیا آپ یہ کہنا پسند کریں گے کہ آپ ایسی دنیا چاہتے ہیں جہاں کوئی بھی عقیدہ نہ ہو؟

ڈاکنز: ہاں، میں اس کا جواب دینا چاہتا ہوں۔ خواہ یہ علم نجوم ہو، مذہب یا کوئی اور چیز، میں ایسی دنیا میں رہنا چاہتا ہوں جہاں لوگ خود پر شک کریں، ثبوت تلاش کریں۔ اس لیے نہیں کہ علم نجوم مضر ہے۔ میرے خیال میں یہ ضرر رساں نہیں ہے۔ لیکن اگر آپ دنیا سے یہی سوچ کر گزر جائیں کہ ایسی چیزوں پر یقین کرنا ٹھیک ہے جو بے ثبوت ہیں تو آپ بہت کچھ کھو رہے ہیں۔ ایسی دنیا میں رہنے کا تجربہ بہت شان دار ہے جہاں آپ سمجھتے ہیں کہ وہ کیسے چلتی ہے، ستاروں کے بارے میں سمجھتے ہیں، علم فلکیات کے بارے میں جانتے ہیں، یہ جانتے ہیں کہ نجوم جیسی معمولی شے پر یقین کرنا ذہنی غربت کی علامت ہے۔

اور میں سمجھتا ہوں آپ مذہب کے بارے میں بھی یہی بات کہہ سکتے ہیں۔ کائنات ایک عظیم الشان، خوب صورت اور حیرت انگیز جگہ ہے جہاں جنوں اور مافوق الفطرت خالق مداخلت کرنے والے پر یقین کرنا گھٹیا بات اور تنگ نظری ہے۔ میرا خیال ہے کہ آپ اس پر جمالیاتی مقدمہ بنا سکتے ہیں کہ آپ مذہب سے چھٹکارا چاہتے ہیں۔

ہچنز: میں آپ سے پوری طرح اتفاق کرتا ہوں۔

ڈینیٹ: لیکن پہلے ترجیحات پر بات کر لیں۔ اگر ہم محض بعض انتہائی مضر اور ضرر رساں زیادتیوں سے نجات پا سکیں تو کون سی فتح آپ پہلے حاصل کرنا چاہیں گے؟ کسی مقصد کے حصول پر آپ کی واقعی خوشی کیا ہو گی؟ آیئے اسلام کو لیں۔ اسلام پر جتنا ہو سکے ہم حقیقت پسندانہ نظر ڈالیں۔ کیا کسی اصلاح یافتہ، معقول اسلام کے دور کا بھی کوئی امکان موجود ہے؟

ڈاکنز: لیکن موجودہ وحشی اسلام حال ہی کا مظہر ہے، ہے نا؟

ڈینیٹ: میں سمجھتا ہوں، آپ کو کافی پیچھے جانا پڑے گا۔

ہیریس: صرف ایک نقطہ تک۔ اور پھر، ہمارے پاس اس کے لیے وسائل نہیں ہیں، ہم اس تنقید کے سب سے متاثر کن ترجمان نہیں۔ اس کے لیے ایان ہرسی علی[1] جیسا کوئی ہو، یا کوئی مسلم عالم ابن وراق[2] جیسا جو اسلام پر مستند تنقید کر سکے اور لوگ اس کی سنیں خاص طور پر سیکولر لبرل افراد جو اس پر ہماری بات نہیں سننا چاہتے۔ مجھے ایسا لگتا ہے کہ تاریخ اسلام واضح تاریخی ادوار ہیں۔ خلافت، یا

[1] آیان ہرسی علی (پیدائش 1969): ڈچ امریکی اسکالر اور کارکن۔ صومالیہ میں پیدا ہوئیں؛ اسلام کی سخت نقاد اور مسلم خواتین کے حقوق کی موید۔ دیکھیے اوپر ص۔2

[2] اسلام کے ایک بے نام نقاد کا قلمی نام؛ 1998 میں انسٹی ٹیوٹ فار دی سیکولرائزیشن آف اسلامک سوسائٹی کے بانیوں میں سے ایک۔

ایسا مسلم ملک جہاں اسلام کی حکمرانی ہوتی ہے اور باہر سے کوئی مداخلت نہیں ہوتی، یہاں اسلام جتنا ہو سکے اتنا مطلق العنان اور پر مسرت ہو سکتا ہے، یہاں اس کے مذہبی عقیدے کے فطری بد اثرات نظر نہیں آتے۔ سیاسی سائنس دان سیموئیل ہنٹنگٹن[1] نے کہا تھا، 'اسلام کی خونی سرحدیں ہیں۔' سرحدوں پر ہمیں مسائل نظر آتے ہیں؛ اسلام اور جدیدیت کی سرحدوں پر۔ اسلام اور جدیدیت کے مابین تصادم ہے۔، لیکن ہاں، آپ کو اسلام کی تاریخ میں ایسی مثالیں مل جائیں گی جہاں لوگ جہاد کے لیے تگ و دو نہیں کرتے تھے کیوں کہ انھوں نے کامیابی کے ساتھ جہاد کر لیا تھا۔

ڈینیٹ: آپ کا اُس دنیا کی عورتوں کے بارے میں کیا خیال ہے؟

ڈاکنز: بالکل۔ ان سرحدوں کے اندر عورتوں پر مصیبت۔

ڈینیٹ: یہاں تک کہ اچھے وقت میں بھی۔

ہیرس: بالکل۔

ہچنز: لیکن ظاہر ہے کہ ایک قسم کی ہم آہنگی موجود ہے۔ اب ہم بہت کچھ جانتے ہیں۔ کچھ حیرت انگیز کتابیں موجود ہیں، مثلاً ماریہ مینوکل کی کتاب اندلسیا[2]۔ ایسے ادوار میں جب اسلامی تہذیب اپنے پڑوسیوں کے ساتھ نسبتاً امن میں تھی اور ایسے معاملات پر جو خود جہادی نوعیت کے نہیں تھے، بہت کام کر رہی تھی۔ اور میں نے خود، یوگوسلاویہ کی جنگوں کے بعد کے دور میں بوسنیا کے مسلمانوں کو کیتھولک اور آرتھوڈوکس عیسائیوں کے مقابلے کہیں بہتر رویے کا حامل پایا۔ وہ مذہبی قتل عام کا نشانہ بنے تھے، خود ظلم کے مرتکب نہیں تھے۔ اور وہ لوگ کثیر الثقافتی پر سب سے زیادہ یقین رکھتے تھے۔ تو ایسا ہو سکتا ہے۔ یہاں تک کہ آپ کو ایسے افراد بھی مل جائیں گے جو خود کو ملحد مسلمان، یا مسلمان ملحد کہتے ہیں۔

ڈینیٹ: واہ!

ہچنز: سرائیوو میں، ایسا ہے۔ یہ تکنیکی اعتبار سے ناممکن ہے۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ کیا ہم سمجھتے ہیں، میں تو پوری طرح مانتا ہوں، کہ مطلق العنانی تمام مذاہب میں فطری ہے کیوں کہ وہ سب مطلق، چیلنج نہ کی جانے والا، دائمی اختیار چاہتے ہیں۔

---

[1] سموئیل ہنٹنگٹن (1927–2008): امریکی ماہر سیاسیات اور صدر کے مشیر۔ 1993 میں 'تہذیبوں کے تصادم' کا نظریہ کتابی شکل میں کلیش آف سولائزیشن اینڈ دی ری میکنگ آف ورلڈ آرڈر (1996) کے نام سے پیش کیا۔

[2] ماریا روزا مینوکل، دی آرنامنٹ آف دی ورلڈ: ہاؤ مسلمز، جیوز اینڈ کرسچینز کریئیٹڈ اے کلچر آف ٹولرنس ان میڈیول اسپین (بوسٹن: لٹل، براؤن، 2002)۔

اس ترجمے کی اشاعت translationsproject.org پر کی گئی جہاں یہ مفت دستیاب ہے

ڈینیٹ: تمام مذاہب۔

ہچنز: ضرور ایسا ہے۔ ایسا خالق جس کی مرضی کو للکارا نہیں جاسکتا۔ اس کی مرضی پر ہمارے تبصرے غیر اہم ہیں۔ اس کی مرضی مطلق ہے اور ہمارے مرنے کے بعد نیز ہمارے پیدا ہونے سے بھی پہلے اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ یہی مطلق العنانی کی جڑ ہے۔ میں سمجھتا ہوں اسلام اسے انتہائی تشویشناک انداز میں بیان کرتا ہے کہ یہ توحید کی دعوت دینے والا تیسرا مذہب ہے اور: 'مزید کسی چیز کی گنجائش نہیں ہے۔ یہ آخری مذہب ہے۔ خدا کی طرف سے گذشتہ کلام نازل ہوا تھا۔ ہم اسے تسلیم کرتے ہیں۔ ہم الگ ہونے کا دعوی نہیں کرتے، حتمی ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ اس نکتے پر مزید کسی کام کی گنجائش نہیں ہے۔'

ہیرس: 'اور ہم دعویٰ کرتے ہیں کہ الہیات اور شہری معاملات میں کوئی دوری نہیں ہے۔'

ہچنز: یہ ہماری دنیا کی بدترین بات ہے۔ ہماری دنیا میں، یقیناً بدترین چیز یہ ہے کہ کوئی کہے، 'مزید تحقیق کی گنجائش نہیں ہے۔ آپ کو جو جاننے کی ضرورت تھی وہ آپ کو مل چکا ہے۔ باقی سب کچھ تفسیر ہے۔' یہ سب سے زیادہ مفسدانہ اور خطرناک بات ہے، اور یہ ایسا دعویٰ ہے جو اسلام کرتا ہے اور دوسرے اس طرح نہیں کرتے۔

ڈینیٹ: مجھے اس نقطہ نظر پر ایک لمحے کے لیے شیطان کا وکیل بننے دیں۔

ہچنز: عیسائیت یا یہودیت میں اسلام کے لیے کوئی احترام نہیں ہے، تاہم اسلام میں [ان دوسرے مذاہب کا احترام] موجود ہے۔ وہ یہودیت کے تمام اجزا کو قبول کرتے ہیں۔ وہ ابراہیم اور ان کے اپنے بیٹے کو قربان کرنے کی رضامندی سے محبت کرتے ہیں۔ وہ کنواری سے پیدائش کا، جو عیسائیت میں سب سے غیر معقول جز ہے، پورا احترام کرتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ سب عظیم ہے۔ 'آپ سب کا اس میں شامل ہونے کے لیے خیر مقدم ہے، ہمارا کلام آخری ہے۔' یہ مہلک بات ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ ہمارا وجود اس تبلیغ سے مطابقت نہیں رکھتا۔

ڈینیٹ: مجھے صرف ایک لمحے کے لیے شیطان کے وکیل کا کردار ادا کرنے دو، تاکہ کم از کم ہم پر واضح ہوئے کہ پوزیشن کیا ہے۔

ہچنز: شیطان کی حمایت میں تو میں بلا معاوضہ بولوں گا۔ [قہقہہ]

ڈینیٹ: ہم سب شیطان کی حمایت میں بول سکتے ہیں۔ مجھے یقین ہے بہت سے لوگ سمجھتے ہیں ہم یہی کر رہے ہیں۔

میرا ماننا ہے کہ کسی چیز کو سچ سمجھنا، یا اسے دریافت کرنے کی کوشش کرنا، اس کی تبلیغ کے لیے کافی نہیں ہے۔ اس تصور کو میں بہت سنجیدگی سے لیتا ہوں کہ بعض چیزوں کی جستجو میں ہمیں نہیں پڑنا چاہیے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں کم از کم اس تجویز کی جانچ کرنی چاہیے کہ کوئی ایسی چیز، جسے اس سے زیادہ جاننا جتنا ہمارے لیے اچھا ہو، موجود ہے۔

اب، اگر آپ یہاں تک میری بات قبول کرتے ہیں تو پھر ہمیں ایک امکان کو سنجیدگی سے لینے کی ضرورت ہے، یہاں تک کہ اگر اہم اسے مسترد کریں تو اسے سنجیدگی سے لینے کے بعد کریں، وہ امکان یہ مسلم خیال ہے کہ مغرب بہت دور نکل چکا ہے، اور یہ کہ ایسے بہت سارے علوم ہیں جو ہمارے لیے اچھے نہیں ہیں۔ ان علوم کے بغیر ہی ہم اچھے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ بہت سے مسلمان وقت کے پہیے کو پیچھے کی طرف چلانا چاہتے ہیں۔ وہ یقیناً ایسا نہیں کر سکتے۔ لیکن مجھے ایک مسلمان سے خاص ہمدردی ہے جو یہ کہتا ہے، 'ہاں، بلی تھیلے سے باہر آچکی ہے۔ اب بہت دیر ہو چکی۔ یہ ایک المیہ ہے۔ آپ نے مغرب میں سچائیوں کا انکشاف کیا، اب آپ ہم پر انھیں تھوپ رہے ہیں—وہ سچائیاں جنھیں انواع کو نہیں جاننا چاہیے تھا۔'

ہچنز: آپ جو کہہ رہے ہیں اس سے میرے کان کھڑے ہو گئے ہیں۔ میں نظری یا عملی طور پر کوئی ایسی چیز جاننا چاہوں جسے جاننا ہم خود پر ممنوع کر لیں۔ کیوں کہ میرے لیے مذہب سے عاری دنیا میں ایسا تصور کرنا بہت مشکل ہے۔

ہیرس: آپ نے منحنی خط کا سوال اٹھا دیا۔ اگر نسلوں یا اصناف کے درمیان ذہانت کے قابل اعتماد اختلافات پائے جاتے—

ہچنز: لیکن میں نہیں سمجھتا کہ یہاں موجود کوئی ایسا سوچتا ہے کہ یوں ہے۔ آپ کو ضرور کسی ایسی چیز کا خیال آیا ہو گا جس پر آپ یقین کرتے ہیں لیکن آپ چاہتے ہیں کہ کاش آپ اسے نہ جانتے ہوتے۔

ڈینیٹ: اوہ، مجھے نہیں لگتا کہ ایسی چیزوں کا تصور کرنا مشکل ہے جو اگر سچ ہوتیں تو نسل انسانی کے لیے انھیں نہ جاننا بہتر ہوتا۔

ہچنز: کیا آپ اسے قدرے ٹھوس انداز میں سمجھا سکتے ہیں؟ میں پوری طرح متوجہ ہوں۔

ڈاکنز: فرضی ایک چیز ہے۔ لیکن کرسٹوفر کا سوال ہے 'کیا آپ نے کبھی ایسی چیز کو دبایا ہے جو—؟'

ہچنز: کیا آپ کے ذہن میں کوئی بات تھی؟

ڈینیٹ: نہیں، نہیں تھی۔

ڈاکنز: نہیں

ہچنز: ویسے کیا آپ ایسا کرنے کا تصور کر سکتے ہیں؟ میں تو نہیں کر سکتا۔

ڈینیٹ: اوہ، میں اس کا تصور کر سکتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ ایسا کبھی نہ ہو۔

ہیرس: حیاتیاتی ہتھیاروں کی تالیف کا معاملہ لیں۔ کیا نیچر میگزین کو خسرے کا ترکیبی نسخہ شائع کرنا چاہیے؟

اس ترجمے کی اشاعت translationsproject.org پر کی گئی جہاں یہ مفت دستیاب ہے

ڈینیٹ: ہاں، بالکل۔ وہ تمام۔

ہچنز: ٹھیک ہے۔ لیکن یہ ایسا علم نہیں ہو گا جس سے ہمیں بے خبر رہنا چاہیے۔ یہ تو صلاحیت سازی جیسا ہو گا۔

ہیرس: یقینی طور پر آپ کسی ایسی صورت حال کا تصور کر سکتے ہیں جہاں کوئی شخص علم کا حصول اس واحد انطباق کے لیے کرے جو غیر اخلاقی ہو، یا اس کی اشاعت سے غلط ہاتھوں میں طاقت چلی جائے۔ تاہم آپ نے ایک ایسا مسئلہ اٹھایا ہے جو میں سمجھتا ہوں بہت اہم ہے۔ کیوں کہ ہمارے مخالفین کی نظروں میں ہم اسلامی دنیا یا پوری دنیا میں باغیانہ سچائی پھیلانے کے ہی مجرم نہیں ہیں، بلکہ اس کے بھی ہیں کہ ہم ان حقائق کا احترام نہیں کرتے جن کو ماپا نہیں جا سکتا سائنس میں ان کا آسانی سے ذکر نہیں کیا جا سکتا۔ ہم سب کو ان کا کلاسیکی جواب ہوتا ہے کہ 'ثابت کریں کہ آپ اپنی بیوی سے محبت کرتے ہیں'، گویا یہ الحاد کے خلاف آخری حجت ہو: آپ یہ ثابت نہیں کر سکتے۔ خیر، اگر آپ اسے تھوڑا سا کھولیں، تو آپ ثابت کر سکتے ہیں۔ آپ اس کا مظاہرہ کر سکتے ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ 'محبت' سے ہماری کیا مراد ہوتی ہے۔ لیکن یہاں تقدیس کا ایسا حلقہ ہے جسے سائنس کے ذریعہ آسانی سے گرفت میں نہیں لیا جا سکتا، اور سائنسی ڈسکورس مذہبی ڈسکورس کے حق دست بردار ہو گیا ہے۔

ڈینیٹ: اور ادبی ڈسکورس کے بھی۔

ہیرس: ہاں۔

ڈینیٹ: جو ضروری نہیں مذہبی ہو۔

ہیرس: لیکن میں کہوں گا کہ آرٹ نے بھی اسے پوری طرح گرفت میں نہیں لیا ہے، اسی طرح جیسے محبت آرٹ کی پوری طرح گرفت میں نہیں آتی ہے۔ اور رحم دلی بھی۔ آپ آرٹ میں ان کی نمائندگی کر سکتے ہیں، لیکن وہ آرٹ میں ڈھلتی نہیں ہیں۔ آپ میوزیم میں رحم دلی کو اس کی خالص شکل میں دیکھنے نہیں جاتے۔ ہم ملحدین کی حیثیت سے مذہبی لوگوں کے ان جعلی دعووں کو مسترد کرتے ہیں جن سے مذہبی افراد قائل ہو جاتے ہیں کہ ہم سے کوئی چوک ہو رہی ہے۔ میں سمجھتا ہوں ہمیں اس کے تئیں حساس ہونا چاہیے۔

ہچنز: بالکل۔ یہی وجہ ہے کہ وہ بحث اٹھاتے ہیں کہ سیکولرازم نے کب درہم کیتھیڈرل یا چارٹریس جیسی کوئی عمارت تعمیر کی، یا عقیدت مندانہ مصوری یا موسیقی۔

ڈینٹ: بیخ کی موسیقی۔

ہچنز: میرا خیال ہے یہ بیخ ہی ہو گا۔ ہاں۔

ہیرس: میں سمجھتاہوں ہمارے پاس اس کاجواب ہے۔

ہچنز: ہاں، ہے۔

ہیرس: آپ نے بہت اچھا جواب دیاہے: اگر اس وقت آرٹ کو سیکولر سرپرستی حاصل ہوتی تو(1)ہم یہ نہ جان سکتے کہ مائیکلینجیلو واقعی مذہبی تھا، کیوں کہ ان دنوں اپنی بے اعتقادی کا اعتراف کرنے کا نتیجہ موت تھا،اور(2)،اگر مائیکلینجیلو کی سرپرستی کے لیے کوئی سیکولر تنظیم ہوتی،تو ایسے تمام آرٹ ورک سیکولر ہوتے۔

ہچینز: میں نے اصل میں اس کی ضمنی نتیجے کی بات نہیں کہی۔

ہیرس: کون سی؟

ہچنز: میرا خیال ہے کہ یہ سچ ہے کہ ہم عقیدت مندانہ مصوری اور مجسمہ سازی کے بارے میں یہ نہیں جان سکتے کہ یہ سرپرستی کی وجہ سے ہے یا نہیں۔لیکن میں یہ نہیں کہہ سکتا،'اگر کوئی سیکولر مصور ہوتا،تو وہ بھی اتنا ہی شاندار کام کرتا'۔مجھے نہیں معلوم کیوں، اور میں خوش ہوں کہ مجھے نہیں معلوم۔میں بس یہ بات نہیں کہہ سکتا۔

ڈاکنز: کیا؟اگر مائیکلینجیلو کو سائنس میوزیم کی چھت پر کام کرنے پر مامور کیاجاتاتو کیاوہ ایسی ہی حیرت انگیز چیز نہ بناپاتا؟

ہچنز: کہیں نہ کہیں مجھے یہ کہنے میں تامل ہے۔بالکل۔

ڈاکنز: واقعی؟مجھے تو یہ ماننے میں کوئی تامل نہیں ہے۔

ہچنز: تو یہ ہماری سوچ کا اختلاف ہو سکتا ہے۔میرا مطلب ہے،عقیدت مندانہ شاعری کے بارے میں،میں مصوری اور فن تعمیر کے بارے میں زیادہ نہیں جانتا،اور کچھ عقیدت مندانہ فن تعمیر ،مثلاً سینٹ پیٹرز،مجھے یہ کہناٹھیک نہیں لگتا کہ اسے خاص عقدیت سے بنایا گیاتھا۔عقیدت مندانہ شاعری مثلاً جان ڈون[1] یا جارج ہربرٹ[2] کی شاعری کے بارے میں یہ کہنامشکل ہے کہ یہ جعلی ہے یا کسی کی سرپرستی کی خاطر لکھی گئی ہے۔

ڈاکنز: ہاں،یہ کافی مناسب بات ہے۔

---

[1] جان ڈون (1572–1631): انگریزی شاعر اور مذہبی عالم؛1612 سے سینٹ پال کیتھیڈرل کے ڈین؛سیکولر اور مذہبی اشعار اور نثر دونوں لکھے۔

[2] جارج ہربرٹ (1593–1633): ویلش شاعر اور مذہبی عالم؛1626 سے لنکن کیتھیڈرل کے کینن۔

اس ترجمے کی اشاعت translationsproject.org پر کی گئی جہاں یہ مفت دستیاب ہے

ہچنز: یہ قرین قیاس نہیں لگتا کہ ایسی شاعری کسی کو خوش کرنے کے لیے لکھی گئی ہو۔

ڈاکنز: خیر کچھ بھی ہو، آپ اس سے کیا نتیجہ اخذ کریں گے؟ اگر ڈون کی عقیدت مندانہ شاعری حیرت انگیز ہے تو کیا کریں؟ اس سے یہ تو ظاہر نہیں ہوتا کہ وہ کسی بھی اعتبار سے سچائی کی نمائندگی کرتی ہے۔

ہچنز: ذرہ برابر بھی نہیں۔ میری پسندیدہ عقیدت مندانہ نظم فلپ لارکن کی 'چرچ گوئنگ'[1] ہے۔ یہ آج تک کی بہترین نظموں میں سے ہے۔ یہ عین اظہار ہے... کاش وہ میرے پاس یہاں ہوتی۔ ہاں، میرے پاس ہے۔ اگر آپ چاہیں تو میں اسے پڑھ کر سنا سکتا ہوں۔ میں کسی پر کم و بیش لارکن کی طرح اعتبار نہیں کرتا جو برطانیہ کے دیہی علاقے میں واقع گوتھک چرچ میں جاتے ہوئے محسوس کرتا ہے، میں اسے 'یقین' نہیں کہتا؛ مجھے اسے 'یقین' کہنا بھی نہیں چاہیے، جو لارکن سے زیادہ محسوس کرتا ہے، وہ ملحد ہے۔ اور جو اس سے کم محسوس کرتا ہے وہ بھی۔ اس نظم میں کچھ تو سنجیدہ بات ہے۔ انسانی شخصیت میں اور مناظر فطرت میں کوئی پوشیدہ تحریر موجود ہے۔ لیکن یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ مذہب کی حقیقت کے بارے میں یہ نظم کچھ نہیں کہتی۔

ڈینیٹ: مجھے یہ مخصوص کیس کے علاوہ کچھ نہیں لگتا۔ دوسرے مخصوص کیس وہ ہوں گے جن کے بارے میں آپ، مجھے کوئی اچھی مثال نہیں مل رہی، مثال کے طور پر آپ دو سال تک ایک کشتی پر سمندر میں گم ہو جائیں اور زندہ رہیں۔ یہی وہ واحد راستہ جس کے بارے میں آپ اس طرح کا شہ پارہ لکھ سکتے ہیں۔ یہ فکشن نہیں ہو سکتا۔ یہ شان دار آرٹ ہو گا۔ یہ درست ہے۔ یہ سچ ہو سکتا ہے اور ہم اسے قبول کر لیتے ہیں۔ یہی سچ ہے۔ ڈون کی شاعری: صرف انتہائی دشوار حالات ہی اسے ممکن بنا سکتے ہیں، اور ہم شکر گزاری کے جذبے سے معمور ہو سکتے ہیں کہ ایسی دشوار حالتیں اسے پیش آئیں جن کی وجہ سے یہ شاعری ممکن ہوئی۔

ہیرس: اس کے معاملے میں یہ بات درست ہے۔ لیکن آپ ہر شخص کو سمندر میں کھو جانے کی مشورہ نہیں دے سکتے۔

ڈینیٹ: بالکل نہیں۔

ہچنز: نہیں، میں 'ڈیتھ بی نوٹ پراؤڈ'[2] میں پیش کردہ نظریہ کا مشورہ بھی سب کو نہیں دے سکتا۔ یہ سانیٹ شان دار ہے، لیکن اگر آپ صرف الفاظ کو دیکھیں تو پوری طرح مہمل ہے۔ یہ غیر معمولی طور پر مہمل ہے۔ لیکن اس میں کوئی ایکس فیکٹر ضرور ہے، جس کے قائم رہنے اور سامنا کرنے پر مجھے خوشی ہو گی۔

ہیرس: درست۔ آپ نے سوال اٹھایا تھا کہ ہم اتوار کو خالی چرچوں کی تمنا کریں یا نہیں، اور میرے خیال میں آپ اس سلسلے میں بے یقینی کا

---

[1] فلپ لارکن (1922–85): انگریزی شاعر اور مصنف؛ 1955 سے ہل یونیورسٹی کے لائبریرین۔ 'چرچ گوئنگ' 1955 کے ان کے مجموعے دی لیس ڈسیوڈ میں شامل ہے۔

[2] 'سانیٹ ایکس' کے طور پر بھی معروف: جان ڈان کی نظم، 1609 میں تیار کردہ ڈوائن میڈیٹیشن سیکونس کا حصہ پہلی بار 1633 میں (بعد از مرگ) طبع ہوا۔

شکار ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ میں آپ سے اتفاق کروں گا۔ میں ایک مختلف چرچ چاہتا ہوں۔ میں مختلف رسوم چاہتا ہوں، جو مختلف تصورات سے تحریک پائیں۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ہماری زندگیوں میں تقدس کے لیے بھی جگہ ہے لیکن بعض شرائط کے ساتھ جس میں لغویات کی گنجائش نہ ہو۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہماری توجہ کے لیے دقیق نکتوں کی جستجو میں ایک افادیت مضمر ہے۔

ہچنز: ضرور

ہیرس: اور ملحد ہونے کی حیثیت سے اس میدان میں ہماری غفلت کی وجہ سے بسا اوقات ہمارے سب سے خبطی مخالفین بھی ہم سے زیادہ عقل مند لگتے ہیں۔ سید قطب[1] جیسے شخص جو انتہائی خبطی ہیں، وہ اسامہ بن لادن کے پسندیدہ فلسفی تھے۔ 1950 کے آس پاس گریلی، کولوراڈو میں آئے تھے اور انھوں نے ایک سال امریکہ میں گزارا۔ انھوں نے دیکھا کہ ان کے امریکی میزبان اپنا سارا وقت فلمی ستاروں کے بارے میں گپ شپ، باغیچے کی روشوں کی کتر بیونت اور ایک دوسرے کی گاڑیوں کے بارے میں حسد کرنے میں گزار دیتے ہیں، تو انھیں یقین ہو گیا کہ امریکہ، یا مغرب، اپنی مشغولیتوں میں اتنا سطحی اور مادہ پرست ہے کہ اسے تباہ کر دینا چاہیے۔ اب اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ میں اس کے نقطہ نظر کو معتبر سمجھتا ہوں، لیکن اس میں بھی ایک بات تھی۔ بیشتر لوگوں کی روزمرہ زندگی کی تگ و دو اور جستجو میں ایک سطحیت ہے۔ بامعنی انداز میں اپنی توجہ کے استعمال اور دائمی عدم توجہی کے درمیان فرق ہے۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ ہماری کمی۔

ڈاکنز: سیم، میرے خیال میں آپ نے یہ اہم نکتہ پیش کیا ہے اور ہم سب نے اسے قبول کر لیا ہے۔ اس بات کی طرف لوٹتے ہیں کہ آیا ہم چرچوں کو خالی دیکھنا چاہیں گے: میں سمجھتا ہوں میں تو چاہوں گا کہ چرچ خالی ہوں۔ تاہم، میں بائبل سے لاعلمی نہیں دیکھنا چاہوں گا۔

ہچنز: نہیں، بالکل درست!

ڈاکنز: کیوں کہ آپ بائبل کو جانے بغیر ادب کو نہیں سمجھ سکتے۔ آپ آرٹ کو نہیں سمجھ سکتے، آپ موسیقی کو نہیں سمجھ سکتے، تاریخی وجوہ سے ایسی بہت سی چیزیں ہیں جنھیں آپ نہیں سمجھ سکتے، ان تاریخی وجوہ کو آپ مٹا نہیں سکتے۔ وہ جوں کی توں رہیں گی۔ اس لیے اگر آپ واقعی چرچ نہیں جاتے اور دعا نہیں کرتے تب بھی آپ کو سمجھنا ہو گا کہ لوگوں کا چرچ جا کر دعا کرنے کا کیا مطلب ہے، وہ ایسا کیوں کرتے تھے، بائبل کی ان آیات کا کیا مطلب ہے، اور یہ۔

ہیرس: کیا بس اتنا ہی؟ تاریخ میں ہمارے اجداد کی جہالت سے واقفیت؟

---

[1] سید قطب (1906–66): مصری اسلامی بنیاد پرست؛ اخوان المسلمون کے رہنما

اس ترجمے کی اشاعت translationsproject.org پر کی گئی جہاں یہ مفت دستیاب ہے

ڈاکنز: آپ اس واقفیت سے کہیں بہتر کرسکتے ہیں۔ آپ اس میں خود کو گم کرسکتے ہیں، بالکل اسی طرح جیسے آپ فلش میں کھو جاتے ہیں یہ جانتے ہوئے کہ اس کے کردار حقیقی نہیں ہیں۔

ڈینیٹ: لیکن کیا آپ کو یقین ہے کہ آپ چرچوں کو خالی دیکھنا چاہتے ہیں؟ آپ مختلف چرچوں کا تصور نہیں کرسکیں گے، ان کی روشنیاں، ان کی شاندار موسیقی، اور انتہائی غیر فطری چرچ: ایک چرچ جس میں رسومات، وفاداری، مقصد اور موسیقی موجود ہے، جس میں لوگ گیت گاتے ہیں، رسمیں ادا کرتے ہیں، لیکن وہاں سے غیر معقولیت کو نکال باہر کیا جائے۔

ڈاکنز: اوہ، تو آپ ان جگہوں پر جنازوں اور شادیوں کے لیے جانا چاہتے ہیں—

ڈینیٹ: ہاں اور—

ڈاکنز: اور وہاں خوب صورت شاعری اور موسیقی ہو۔

ڈینیٹ: جس کا مقصد ہے شاید—

ڈاکنز: گروپ یکجہتی۔

ڈینیٹ: گروپ یکجہتی، ایک ایسے منصوبے کے لیے جسے بصورت دیگر شروع کرنا مشکل ہے۔

ہچنز: میں سمجھتا ہوں کہ ایک اور چھوٹی سی بات ہے۔ میں بہت چھوٹا تھا تب سے مجھے چرچ جانے میں کوئی رغبت نہیں تھی، تاہم ایک وجہ جس نے مجھے چرچ سے دور رہنے میں آسانی پیدا کی وہ نیو انگلش بائبل کا استعمال تھا۔

ڈاکنز: اوہ، دیکھو تو کیسے! ہاں! [قہقہہ]

ہچنز: وہاں جانے کا واقعی کوئی فائدہ نہیں۔ میں نہیں سمجھ سکتا کہ کوئی کیسے چلا جاتا ہے، البتہ مجھے یہ سمجھ آتا ہے کہ کیوں لوگ دور رہتے ہیں۔ انھوں نے ترک کر دیا—

ہیریس: ساری شاعری کو۔ ہاں۔

ہچنز: ایک ایسا موتی جو پورے خزینے میں سب سے زیادہ وقیع تھا۔

ڈاکنز: بالکل۔

ہچنز: وہ یہ بھی نہیں جانتے کہ انھوں نے یہ کیا کیا۔ یہ کتنا گھناؤنا ہے۔ اگر میں کالعدم کیتھولک ہوتا اور مجھے وصیت کرنا ہوتی کہ میرا جنازہ کیسے انجام دیا جائے، جو کوئی ایسی بات نہیں جسے—

ڈینیٹ: آپ صرف لاطینی اجتماع چاہتے۔

ہچنز: ہاں!

ڈینیٹ: بالکل

ڈاکنز: لیکن ایک اور مسئلہ ہے، جب یہ بائبل ناقابل فہم ہو جاتی ہے تو اس کی نامعقولیت اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے، اگر یہ لاطینی زبان میں ہوتی تو اس کا باقی رہنا آسان ہوتا۔ یہ ایک طرح سے کیمو فلاژ حشرے کی طرح ہے، یہ رکاوٹوں سے اس لیے گزر سکتا ہے کیوں کہ یہ نظر نہیں آتا۔ جب بائبل کا ترجمہ صرف انگریزی ہی میں نہیں بلکہ جدید انگریزی میں کیا جاتا ہے تو آپ کو سب نظر آنے لگتا ہے۔

ڈینیٹ: لیکن کیا آپ اس بات سے خوش ہیں کہ چرچ اپنے متون کو جدید بنا رہے ہیں اور—

ڈاکنز: نہیں، میں خوش نہیں ہوں۔ یہ جمالیاتی نکتہ ہے۔ مجھے یہ پسند نہیں۔

ہچنز: یہ تمام پہلوؤں سے قبیح ہے۔

ڈینیٹ: مجھے ایسا ہی لگتا ہے۔ ہاں۔

ہچنز: اور ہمیں اس پر احسان مند ہونا چاہیے۔ ہم نے ان کے ساتھ یہ نہیں کیا۔ [قہقہہ]

ڈینیٹ: بالکل ٹھیک۔ ہم نے ان پر یہ مسلط نہیں کیا، انھوں نے یہ کام خود کیا۔

ہیرس: ہم اتنے چالاک نہیں تھے۔

ہچنز: ہم شیعہ مساجد کو بھی اڑا نہیں سکتے۔ ہم بامیان میں بدھ کی مورتی کو بھی مسمار نہیں کر سکتے۔ ہم بے حرمتی نہیں کرتے۔ سوفوکلیز کی اینٹی گون میں بیان کردہ وجوہ کی بنا پر ہماری طبیعت دریدہ دہنی اور بے حرمتی سے فطری طور پر مزاحمت کرتی ہے۔ ہم یہ کام نیکو کاروں پر چھوڑتے ہیں کہ وہ چرچوں کو جلائیں یا ایک دوسرے کی مساجد کو اڑائیں۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ ایک ایسا نکتہ ہے جس پر ہمیں زیادہ وقت صرف کرنا چاہیے۔ کیوں کہ میرا خیال ہے وہ اس نکتے پر ہم سے سب سے زیادہ خائف ہیں—جو ابتداءً میرا نکتہ تھا— کہ ہم ایک ایسی دنیا چاہتے ہیں جو اس موسیقی کی بازگشت سے خالی ہو، اور ایسی شاعری سے اور روحانیت سے وغیرہ سے بھی پاک ہو۔ ایسی جرأت مند نئی دنیا میں ہم خوش ہوں گے۔ میں نہیں سمجھتا ہے کہ ہم میں سے کوئی ایسا سوچتا ہے کہ—

اس ترجمے کی اشاعت translationsproject.org پر کی گئی جہاں یہ مفت دستیاب ہے

ڈاکنز: نہیں۔ نہیں، ایسا نہیں ہے۔

ڈینیٹ: نہیں، بالکل۔

ہچنز: میں سمجھتا ہوں کہ اس نکتے پر ہمیں زیادہ وقت صرف کرنا چاہیے کہ مقدس جنگ یا مذہبی آویزش یا مذہبی حکمرانی سے جنگل جیسی ویرانی پیدا ہونے کا زیادہ امکان ہے بجائے مناسب سیکولرازم کے۔ جس کی بنا پر میں سمجھتا ہوں کہ اسے نہ صرف مذہب جیسی کسی شے کے دوام کو اجازت، رخصت یا برداشت کرنا چاہیے بلکہ ایک طرح سے اس کا خیر مقدم کرنا چاہیے۔ مجھے لگتا ہے کہ میں نے ابتدا کے مقابلے میں اب کھل کر یہ بات کہہ دی ہے۔

ہیرس: 'مذہب جیسی کسی شے' سے آپ کی کیا مراد ہے۔

ڈینیٹ: مذہب جیسی کیسے؟

ہچنز: اس عقیدے جیسی کوئی چیز کہ کوئی ایسی چیز ہے جسے ہمیں زیادہ نہیں جاننا چاہیے۔

ڈینیٹ: ٹھیک ہے۔

ہیرس: ڈین ڈینیٹ یہ مانتے ہیں۔ یہ مذہب نہیں۔

ڈینیٹ: ہاں، بالکل!

ہیرس: ہم جانتے ہیں کہ اس وقت ہم جتنا جانتے ہیں اور جتنا جاننے کا امکان ہے اس سے کہیں زیادہ چیزیں دراصل جاننے کے لیے موجود ہیں۔

ہچنز: یہی میرا اصل نکتہ تھا جب میں نے کہا کہ اگر ہم روحانیت اور توہم پرستی کے مابین امتیاز کرنے کا کوئی طریقہ نکال لیں تو ہم ثقافتی اعتبار سے بہت اہم کام کریں گے۔ رچرڈ اور میں نے میتھوڈسٹ سنٹرل ہال میں اسکروٹن[1] کے ساتھ مباحثے میں حصہ لیا تھا، وہ عجیب سی ٹیم، خاص طور پر سکروٹن بار بار کہتے رہے کہ 'اچھا، ان پرانے گوتھک میناروں کے بارے میں کیا خیال ہے'، وغیرہ، وغیرہ۔ میں نے کہا، 'دیکھیے، میں نے پارتھینون کے بارے میں ایک کتاب لکھی ہے۔ مجھے اس میں بہت دلچسپی ہے۔ میں سمجھتا ہوں سب کو وہاں جانا چاہیے، سب کو اس کا مطالعہ کرنا چاہیے وغیرہ۔ لیکن ہر شخص کو پلاس ایتھینا کے عقیدے سے بچنا چاہیے۔ سب کو سمجھنا چاہیے کہ شاید ان خوب صورت مجسموں میں کچھ افراد کی قربانیاں بھی شامل ہیں۔ ایتھینین استعمار تمام تر اتنا حسین نہیں تھا، حتی کہ پیریکلس کے دور میں بھی'۔ دوسرے لفظوں میں، عظیم ثقافتی منصوبہ مافوق الفطرت کو ترک

[1] راجر سکروٹن (پیدائش 1944): انگریزی کے قدامت پسند فلسفی اور مصنف۔

کر کے مذہب میں سے آرٹ اور جمالیات میں جو کچھ ہے وہ حاصل کرنے کی کوشش بن سکتا ہے۔

ڈینیٹ: اور میں سمجھتا ہوں کہ اس برائی کا اعتراف بھی جو پہلے پہل اس کی تخلیق کا باعث بنا۔ یعنی، ہم ایز ٹیکس کے عقائد اور طور طریقوں کی تائید نہیں کر سکتے، تاہم ان کے فن تعمیر اور ان کی ثقافت کی بہت سی دیگر خصوصیات کی تحسین اور ان کا تحفظ تو کر ہی سکتے ہیں۔ لیکن ان کے طور طریقوں کا نہیں [قہقہہ] اور نہ ہی ان کے عقائد کا۔

ڈاکنز: ایک مرتبہ میں ڈیسرٹ آئی لینڈ ڈسکس نام کے ایک برطانوی ریڈیو پروگرام میں مدعو تھا، جہاں آپ کو آٹھ ایسے ریکارڈ منتخب کرنا ہوتے تھے، ان پر بات کرنا ہوتی تھی جو آپ اپنے ساتھ صحرائی جزیرے میں لے کر جانا پسند کریں گے۔
آٹھ ریکارڈ جو آپ صحرا کے جزیرے میں لے کر جاتے ہیں اور ان کے بارے میں بات کرتے ہیں۔ اور میرے منتخب کردہ ریکارڈوں میں سے ایک بیخ کا Mache dich, mein Herze, rein تھا۔ شاندار، کمال کی مقدس موسیقی ہے۔

ڈینیٹ: خوب صورت۔

ڈاکنز: اور وہ خاتون جو میرا انٹرویو کر رہی تھی وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ میں وہ موسیقی کیوں رکھنا چاہوں گا۔ یہ خوب صورت موسیقی ہے، اور اس کی خوب صورتی یہ جاننے کے بعد دوبالا ہو جاتی ہے کہ اس کے کیا معنی ہیں۔ لیکن آپ کو واقعی اس پر یقین کرنے کی ضرورت نہیں۔ یہ افسانہ پڑھنے کی طرح ہے۔

ڈینیٹ: بالکل۔

ڈاکنز: آپ فکشن کے مطالعے میں غرق ہو سکتے ہیں، اور جذبات میں اشک بار ہو سکتے ہیں، لیکن کوئی یہ یقین نہیں کرے گا کہ یہ کردار کبھی موجود تھا یا جس اداسی کا آپ کو احساس ہوا وہ کسی ایسی شے کی عکاسی کرتی ہے جو کبھی اصل میں واقع ہوئی تھی۔

ہچنز: ہاں۔ آئرش بشپ کی طرح جس نے کہا تھا کہ اس نے گلیورز ٹریولز (Gulliver's Travels) پڑھی لیکن اپنے لیے اس کے ایک لفظ پر بھی یقین نہیں کیا[1]۔ [قہقہہ] میرے خیال میں یہ لوکس کلاسیئیس کا بہترین شہ پارہ ہے۔ ہم ثقافتی ورثے کو نقصان پہنچانے والے نہیں ہیں، لیکن شاید ہمیں سوچنا ہو گا کہ کیوں بہت سے لوگوں کو شک ہے کہ ہم وہی ہیں۔ اگر ان لوگوں کی کوئی ایک نکتہ چینی جسے میں قبول کرتا یا کوئی ایک شک جو مجھے لگتا ہے وہ رکھتے ہیں، کوئی ایک خوف جو ان کو لاحق ہو سکتا ہے، تو وہ یہ ہوتا: تو یہ سب کرومیم اور اسٹیل ہوتا اور—

---

[1] جوناتھن سوفٹ کا الیگزنڈر پوپ کو خط، 17 نومبر 1726۔

اس ترجمے کی اشاعت translationsproject.org پر کی گئی جہاں یہ مفت دستیاب ہے

ڈینیٹ: اور اس میں کرسمس کیرول نہیں ہوں گے اور مینوراس نہیں ہوں گے اور–

ڈاکنز: ہم پر یہ تنقید کرنے والے کسی بھی فرد نے شاید ہماری ایک بھی کتاب نہیں پڑھی ہے۔

ڈینیٹ: خیر، یہ بھی ایک الگ مسئلہ ہے۔ اور بیشک یہ صرف ہماری ہی کتابوں کا معاملہ نہیں ہے، بہت ساری کتابیں ہیں۔ لوگ انھیں نہیں پڑھتے ہیں۔ وہ بس تبصرے پڑھ کر فیصلہ کرتے ہیں کہ کتاب کس بارے میں ہے۔

ہچنز: آج ستمبر کا آخری دن ہے، بیشک ہم پھر سے کرسمس کی جنگوں کا آغاز کرنے والے ہیں۔ آپ اس کی آمد کو محسوس کر سکتے ہیں۔ جب بھی یہ آتا ہے مجھے اولیور کرومویل[1] کی یاد آتی ہے جس نے کرسمس ٹری کاٹ ڈالے تھے اور اسے منانے سے منع کر دیا تھا وہ پیوریٹن پروٹسٹنٹ تھے جو امریکی بنیاد پرستوں کے اجداد تھے، جنھوں نے کہا تھا کہ کرسمس منانا کفر کے مترادف ہو گا۔

ڈاکنز: ہاں۔ یہ بھی بامیان بدھ جیسا معاملہ تھا۔

ہچنز: کیا یہ لوگ کم از کم اپنی روایات ہی کا احترام کرتے ہیں؟ کیوں کہ میں کرتا ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کرومویل دوسرے بہت سے محاذوں پر بھی ایک عظیم انسان تھا۔ کرسمس اصلاً ایک جاہلی تہوار ہے۔

ہیرس: ہم سبھی کو گذشتہ سال ہمارے کرسمس ٹریز کے ساتھ نکال دیا گیا تھا۔

ڈینیٹ: ہاں۔

ڈاکنز: مجھے کرسمس ٹری سے ذرا بھی کوئی مسئلہ نہیں ہے۔

ڈینیٹ: ہمارے پاس کرسمس کارڈ تھا، ہماری تصویروں کے ساتھ–

ہچنز: تب ایک اچھی پرانی ناروے کی مے نوشی کی پارٹی ہوتی تھی۔ اور کیوں نہ ہو؟

ڈینیٹ: صرف اتنا ہی نہیں۔

ہچنز: مجھے [جاہلی تہوار] سولسٹائس بھی دوسروں کی طرح اتنا ہی پسند ہے۔

ڈینیٹ: ہم سالانہ کرسمس کیرول پارٹی کرتے ہیں جس میں ہم موسیقی گاتے ہیں۔ اور موسیقی تمام الفاظ کے ساتھ ہوتی ہے، صرف سیکولر کرسمس والی چیزیں نہیں۔

ڈاکنز: کیوں نہیں؟

---

[1] اولیور کروم ویل (1599–1658): انگریزی بنیاد پرست پروٹسٹنٹ، سپاہی اور سیاستدان۔ سول جنگوں میں پارلیمانی قوتوں کے رہنما؛ لارڈ پروٹیکٹر آف انگلش کامن ویلتھ، 1653–8۔

ڈینیٹ: یہ شاندار ہے۔عیسائی کہانی کا وہ حصہ لاجواب ہے۔یہ ایک خوب صورت کہانی ہے! اور آپ اس کے ہر جز پر بغیر ایمان لائے پسند کر سکتے ہیں۔

ڈاکنز: ایک بار لنچ کرتے ہوئے میں ایک خاتون سے ملا جو لندن میں اُس مباحثے میں ہماری مخالف تھی۔

ہچنز: ربی نیوبرگر[1]

ڈاکنز: ربی نیوبرگر۔اس نے مجھ سے پوچھا کہ جب میں نیو کالج میں سینئر فیلو تھا تو کیا میں نے لفظ 'گریس' کہا تھا۔میں نے کہا، 'بالکل، میں گریس کہتا ہوں۔یہ ادب آداب کی بات ہے۔' وہ سخت غصے میں آگئی کہ میں اتنا بڑا منافق ہوں کہ میں گریس کہتا ہوں۔میں نے صرف اتنا کہا، 'دیکھیے، اس کا مطلب آپ کے لیے کچھ ہو سکتا ہے، میرے لیے نزدیک قطعاً اس کا کوئی مطلب نہیں ہے۔یہ ایک لاطینی لفظ ہے جس کی ایک تاریخ ہے اور میں تاریخ کی تحسین کرتا ہوں۔' فریڈی آئر[2] وہ فلسفی، جو خود گریس کہا کرتے تھے انھوں نے کہا تھا، 'میں جھوٹ نہیں بولوں گا لیکن مجھے بے معنی الفاظ ادا کرنے پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔' [قہقہہ]

ہچنز: بہت خوب۔وائیکیہم کے پروفیسر۔

ڈاکنز: ہاں، وائیکیہم کے پروفیسر۔

ہچنز: کیا ہم نے اسلام کے بارے میں آپ کے سوال کا جواب دے دیا؟

ہیرس: مجھے نہیں معلوم۔میں ایک اور متعلقہ سوال پوچھتا ہوں۔کیا آپ کو محسوس ہوتا ہے کہ ہم پر کوئی بوجھ ہے، ہم پر مذہب کے نقادوں کی حیثیت سے، مذہب پر ہماری تنقید میں غیر جانب دارانہ ہونے کے لیے، یا کیا یہ خیال مناسب ہے کہ مذہبی نظریات و معتقدات کا ایک پورا سلسلہ ہے جس کے ایک سرے پر اسلام ہے اور دوسرے سرے پر امیش اور جین اور دوسرے تصورات ہیں جن کے درمیان شدید اختلافات ہیں جنھیں ہمیں سنجیدگی سے لینا ہو گا۔

ڈینیٹ: یقیناً ہمیں انھیں سنجیدگی سے لینا ہو گا، ہمیں ہر وقت نیٹ ورک میں توازن قائم کرنے کی چال نہیں اپنانی ہے۔بہت سے لوگ ہیں جو اچھی اور بے ضرر چیزوں کی طرف نشاندہی کرتے رہتے ہیں۔ہم ان کا اعتراف کر سکتے ہیں اور پھر مسائل پر توجہ مرکوز کر سکتے ہیں۔نقاد یہی کرتے ہیں۔پھر، اگر ہم دواسازی کی صنعت کے بارے میں کتابیں لکھ رہے ہوتے تو کیا ہم ان

---

[1] جولیا نیوبرگر (پیدائش 1950): برطانوی ربی اور ہاؤس آف لارڈز کی ممبر؛ 2011 سے مغربی لندن کے عبادت گاہ کی سینئر۔

[2] الفریڈ جولس آئر (1910–89)، اے جے یا 'فریڈی' کے نام سے معروف: برطانوی فلسفی: تصانیف میں لینگویج، ٹروتھ اینڈ لاجک (1936) شامل ہیں، جس میں انھوں نے 'تصدیق کا اصول' پیش کیا۔1959 سے آکسفورڈ میں وائکہیم پروفیسر آف لاجک۔

اس ترجمے کی اشاعت translationsproject.org پر کی گئی جہاں یہ مفت دستیاب ہے

کے ذریعے کیے جانے والے اچھے کاموں پر اتنا ہی وقت صرف کرتے؟ یا پھر مسائل میں تخصص حاصل کرتے؟ میں سمجھتا ہوں یہ بہت واضح ہے۔

ڈاکنز: میں سمجھتا ہوں اس بارے میں سیم کا کہنا مزید –

ہیرس: اگر Merck [دواساز کمپنی] دوسروں کے مقابلے میں زیادہ ہی حرص کا مظاہرہ کرتی تو ہم اس پر تنقید کر سکتے تھے۔ اگر ہم دواسازی کی صنعت پر توجہ دے رہے ہوتے تو ایسا نہیں پاتے کہ دواسازی کی ساری کی ساری صنعت برابر کی قصوروار ہو۔

ڈینیٹ: ہاں، تو سوال ہے کیا؟ اس میں کیا برائی–

ڈاکنز: سیم پوچھ رہے ہیں کہ آیا ہمیں مختلف مذاہب کی تنقید میں منصفانہ ہونا چاہیے یا نہیں اور آپ بات کر رہے ہیں اچھے اور برے کے معاملے میں منصفانہ تنقید کی۔

ہچنز: کیا تمام مذاہب یکساں طور پر قبیح ہیں۔
ڈاکنز: ہاں، کیا اسلام عیسائیت سے قبیح تر ہے۔

ہیرس: مجھے لگتا ہے جب ہم اس میں توازن پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں تو اس موضوع پر اپنے دوستوں کی فہرست نہیں بنا پاتے۔ یہ میڈیا کی ایک چال ہے۔ یہ کہنا الحاد کا کم و بیش ایک وجودی عزم ہے کہ تمام مذاہب کے دعوے ایک معنی میں مساوی ہیں۔ میڈیا کا کہنا ہے کہ مسلمانوں کے اپنے شدت پسند اور ہمارے اپنے شدت پسند۔ مشرق وسطی میں جہادی ہیں اور یہاں لوگ اسقاط حمل کرنے والے ڈاکٹروں کو مار ڈالتے ہیں۔ یہ کوئی دیانت دارانہ مساوات نہیں ہے۔ اسلام کے زیر سایہ جو تباہی جاری ہے اس کا موازنہ اس حقیقت سے نہیں کیا جاسکتا کہ ہمارے پاس ایک دہائی میں دو افراد ایسے پیدا ہو جاتے ہیں جو اسقاط حمل کرنے والوں کو قتل کر دیتے ہیں۔ الحاد کی پیروی سے مجھے درپیش مسائل میں سے ایک یہ ہے، یہ ہمیں گھیر تا ہے جبکہ ہم ہر سمت میں جہاں تک ہو سکے ہمہ وقت تنقید کی روشنی برابر پھیلا رہے ہیں، کچھ سوالات پر مذہبی افراد کی اکثریت ہم سے متفق ہو جاتی ہے۔ ریاستہائے متحدہ امریکہ میں لوگوں کی اکثریت واضح طور پر ہم سے متفق ہے کہ اسلام میں شہادت کا نظریہ خوف ناک ہے اور کسی بھی طرح بے ضرر نہیں، یہ بہت سے افراد کو ہلاک کرنے کا ذمہ دار ہے اور یہ نکتہ چینی ہی کے لائق ہے۔ اسی طرح یہ نظریہ کہ ارواح بطری طشتریوں میں رہتی ہیں: بیشتر عیسائی، 70 فیصد امریکی بھی، جنینی اسٹیم سیل تحقیق کی روشنی میں اس پر یقین نہیں کرنا چاہتے۔ سو، مجھے لگتا ہے کہ اگر ہم تفصیلات پر توجہ دیں تو ہماری تعداد حقیقی طور پر ایک قوت معلوم ہوتی ہے، لیکن اگر ہم الحاد کے کھنڈر پر کھڑے ہو جائیں اور کہیں کہ یہ سب لغو ہے تو ہم اپنے 90 فیصد ہمدردوں سے محروم ہو جاتے ہیں۔

ڈاکنز: یقیناً یہ صحیح بات ہے۔ دوسری طرف، میری پریشانی مذہب کے شر سے اتنی نہیں جتنی کہ اس سے ہے کہ یہ سچ ہے یا نہیں۔ اور میں اس معاملے کی حقیقت کے بارے میں واقعی پرجوش طور پر سمجھتا ہوں کہ کیا واقعی اس کائنات کا کوئی فوق الفطرت خالق ہے؟ مجھے واقعی اس جعلی اعتقاد کی فکر ہے۔ اس لیے، ہر چند کہ مجھے مذہب کے شر کی بھی فکر ہے، میں منصفانہ سلوک کے لیے تیار ہوں، کیوں کہ مجھے لگتا ہے وہ سب یہ دعویٰ کرتے ہیں، مساوی طور پر۔

ہچنز: میں کبھی یہ دعوی نہیں چھوڑوں گا کہ تمام مذاہب یکساں طور پر جھوٹے ہیں۔ اس لیے کہ وہ عقیدے کو استدلال پر ترجیح دینے میں غلط ہیں۔ اور کم از کم درپردہ مساوی طور پر خطرناک ہیں۔

ڈاکنز: مساوی طور پر غلط، لیکن یقیناً مساوہ طور پر خطرناک نہیں۔ کیوں کہ—

ہچنز: نہیں، درپردہ، مجھے ایسا لگتا ہے۔

ڈاکنز: درپردہ شاید ایسا ہی ہے۔

ہچنز: ذہنی خود سپردگی کی بنا پر۔ ہمارے پاس واحد چیز جس کی وجہ سے ہم حیوانات میں ممتاز ہیں: ہماری قوت استدلال، اسی سے دست بردار ہونے کی آمادگی۔ اس کے نتائج ہمیشہ مہلک ہوتے ہیں۔

ڈینیٹ: مجھے یقین نہیں کہ—

ڈاکنز: یہ ممکنہ طور پر خطرناک ہے۔

ہچنز: امیش[1] مجھے تکلیف نہیں پہنچا سکتے، لیکن اگر انھیں مطلق العنان نظام کی قوت حاصل جائے تو وہ یقینی طور پر ان افراد کو تکلیف دے سکتے ہیں جو ان کی برادری میں رہتے ہیں۔

ہیرس: لیکن عین اسی طرح نہیں۔

ہچنز: دلائی لاما کا دعوی ہے کہ وہ خدائی بادشاہ ہے، ایک موروثی شہنشاہ، یعنی ایک موروثی خدا۔ یہ ایک انتہائی ناگوار خیال ہے۔ اور وہ دھرم شالہ میں ایک چھوٹی سی آمریت چلا رہا ہے۔ جوہری تجربات کی تعریف کرتا ہے۔ یہ محض اپنے محدود دائرہ کار کی وجہ

---

1 ایک بنیاد پرست عیسائی گروہ۔ اس کی عورتیں سکارف لیتی یا ٹوپی پہنتی اور ایک ہی رنگ کے کپڑے پہنتی ہیں۔ مرد مونچھیں منڈواتے اور داڑھی بڑھاتے ہیں۔ کوئی ایک بھی ٹیکنالوجی استعمال نہیں کرتے۔ آج بھی گدھا گاڑی اور گھوڑے وغیرہ پر سفر کرتے ہیں۔ ان کے بچے امریکا میں صرف آٹھویں گریڈ تک سرکاری تعلیم حاصل کرنے کے پابند ہیں۔ ان کے ساتھ حکومت کا معاہدہ ہے کہ آٹھویں گریڈ کے بعد یہ ہمیشہ اپنے بچوں کو اپنی دینی مدرسہ کی تعلیم دیں گے۔ (وکی پیڈیا)

اس ترجمے کی اشاعت translationsproject.org پر کی گئی جہاں یہ مفت دستیاب ہے

سے محدود ہے۔ورنہ وہی شر یہاں بھی کار فرما ہے۔

ہیرس: اگر آپ اس میں جہاد کو شامل کر لیتے تو آپ اور بھی آپ فکر مند ہو جاتے۔

ہچنز: دیکھیے، ہر بار جب بھی میں اسلام پسندوں سے بحث کرتا ہوں تو وہ سب کہتے ہیں کہ 'آپ نے ابھی ابھی سو کروڑ مسلمانوں کی دل آزاری کی ہے،' گویا وہ ان کی جانب سے بات کر رہے ہوں۔ گویا وہ، اگرچہ اس بات کا بھی خدشہ ہے، عسکری لہجے میں دھمکا رہے ہوں۔ اگر وہ اسی بات کو دوسرے لفظوں میں کہتے جیسے، 'آپ نے ابھی میری ایک مسلمان کی حیثیت سے دل آزاری کی ہے،' تو کیا یہ ایک ہی بات نہیں ہوتی؟ کیا وہ واحد شخص ہیں جو پیغمبر محمد پر ایمان رکھتے ہیں۔ نہیں، نہیں، یہ سو کروڑ لوگ ہیں۔ بہر حال، ان کے یہ کہنے کا کیا مطلب ہوا۔ 'بچ کے رہنا!' مجھے پروا نہیں۔ اگر وہ واحد شخص ہوتا جو یہ مانتا کہ پیغمبر محمد کو فرشتے جبرئیل نے وحی لا کر دی تب بھی میں وہی کہتا جو میں نے کہا تھا۔

ہیرس: درست، لیکن پھر آپ کو رات کو جاگنا نہیں پڑتا۔

ہچنز: یہ بات بھی اتنی ہی خطرناک ہوتی اگر وہ اس پر ایمان رکھتے۔ ہاں، ایسا ہوتا۔ کیوں کہ یہ پھیل سکتا تھا۔ عقیدہ بہت عام ہو جاتا۔

ہیرس: مگر اسلام کی صورت میں، ایسا ہوا، یہ پھیل گیا اور اب بھی پھیل رہا ہے۔ لہٰذا اس کا خطرہ ممکنہ ہی نہیں بلکہ اصلی ہے۔

ڈاکنز: ہاں۔ مجھے اس میں کوئی تضاد والی بات نہیں نظر آتی۔ آپ مختلف چیزوں کے بارے میں بات کر رہے ہیں۔

ہچنز: ہاں، جگہ اور وقت کے ساتھ ساتھ، میرے خیال میں یہ سب زبردست طریقے سے برابر ہو جاتا ہے۔ میرا مطلب ہے کہ مجھے توقع نہیں تھی اور مجھے یقین ہے کہ آپ کو بھی نہیں ہوگی کہ ساٹھ کی دہائی میں یہودی بنیاد پرستی سے ایسا خطرہ ہوگا۔ نسبتاً بہت کم تعداد میں، لیکن ایک بہت ہی اہم مقام پر، ایک اسٹریٹجک مقام، دوسرے لوگوں کی زمین غصب کر کے مسیحا کو لانے کی کوشش کا فیصلہ کرنا۔ یہ لوگ عددی لحاظ سے انتہائی کم تعداد میں ہیں، لیکن اس کے جو نتائج برآمد ہوئے وہ انتہائی مہلک تھے۔ ہم واقعی یہ نہیں سوچا کرتے تھے کہ یہودیت اس طرح شدید خطرناک ثابت ہو سکتی ہے، یہاں تک کہ صیہونی تحریک مسیحی تحریک کے ساتھ شامل ہو گئی، یا اس میں ضم ہو گئی، کیوں کہ مسیح پرست صیہونی نہیں تھے، جیسا کہ آپ جانتے ہیں۔ آپ نہیں جانتے کہ آئندہ کیا ہو سکتا ہے۔

ہیرس: میں اس سے بالکل متفق ہوں۔

ہچنز: اور میں اس بات سے اتفاق کرتا ہوں کہ اس بات کا امکان نہیں ہے کہ سپر مارکیٹ میں کوئی کویکر میرا گلا ریت دے گا۔ تاہم کویکر کہتے ہیں، 'ہم برائی کے خلاف عدم مزاحمت کی تبلیغ کرتے ہیں۔'

یہ انتہائی قبیح موقف ہے۔

ہیرس: صحیح تناظر میں دیکھیں تو ہاں۔

ہچنز: اس سے زیادہ باغیانہ حرکت اور کیا ہو سکتی ہے؟ شر، تشدد اور ظلم کو دیکھ کر بھی آپ اس کا مقابلہ نہیں کرتے۔

ڈینیٹ: ہاں، وہ لوگ بے مہار ہیں۔

ہچنز: ہاں۔ فرینکلن[1] کو پڑھیں کہ فلاڈیلفیا کے نازک دور میں آزادی کی جدوجہد کے دوران کویکر کیسے تھے، تب آپ سمجھیں گے کہ لوگ ان سے نفرت کیوں کرتے تھے۔ تب اگر میں ہوتا تو کویکرزم کو امریکہ کے لیے انتہائی سنگین خطرہ قرار دیتا۔ تو، یہ جگہ اور وقت کی بات ہے۔ آخری تجزیہ میں یہ سب برابر کے بوسیدہ، جھوٹے، بددیانت، بدعنوان، جذبات سے عاری اور خطرناک لوگ ہیں۔

ہیرس: آپ نے یہاں ایک اہم نکتہ پیش کیا ہے جس پر میں سمجھتا ہوں ہمیں تھوڑا اور بولنا چاہیے، یعنی یہ کہ آپ کبھی بھی عدم استدلال کے خطرے کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔ جب دوسروں کے ساتھ اور کائنات کے ساتھ آپ کے تعامل کا طریقہ یہ ہو کہ آپ ان سچائیوں کی تصدیق کرنے لگیں جن کی تصدیق کرنے کے آپ قابل نہیں تو اس کے برے مضمرات لامحدود ہوتے ہیں۔ ایک لمحہ پہلے میں نے جو معاملہ اٹھایا تھا، اسٹیم سیل ریسرچ والا، آپ پہلے سے یہ نہیں جان سکتے کہ استقرار حمل کے وقت بار دار یضے میں روح داخل ہونے کا تصور کس قدر خطرناک تصور ہو سکتا ہے۔ یہ اس وقت تک پوری طرح بے ضرر لگتا ہے جب تک آپ اسٹیم سیل تحقیق جیسی کوئی چیز دریافت نہیں کر لیتے، جو انتہائی امید افزا، حیات بخش تحقیق ہے۔ آپ اس بات کا اندازہ لگا ہی نہیں سکتے کہ دقیانوسیت کتنی جانوں کے اتلاف کا باعث بنے گی کیوں کہ حقیقت سے اس کا ٹکراو کبھی بھی سامنے آجاتا ہے۔

ہچنز: اسی لیے میں سمجھتا ہوں کہ تاریخ کا وہ موڑ جب سب کچھ غلط سمت میں مڑ گیا، وہ تھا جب یہودی ہیلنیسٹوں (Hellenists) کو یہودی مسیح پرستوں (Messianists) نے شکست دے دی تھی، اب اس واقعے کو ہنوکا جیسے بے ضرر نام سے جانا جاتا ہے۔ یہی وہ مقام تھا جہاں سے نسل انسانی نے بدترین موڑ لیا۔ کچھ لوگوں نے جانوروں کی قربانی، ختنہ اور ہیلینزم اور فلسفہ پر یہوہ کے عقیدے کو تعمیر کیا۔ پھر اس کا چربہ عیسائیت کی شکل میں نمودار ہوا۔ عیسائیت کبھی نہ ہوتی اگر وہ واقعہ پیش نہ آتا۔ اور نہ ہی اسلام ہوتا۔ مجھے اس میں کوئی شک نہیں کہ اس کے علاوہ بھی دیگر خبطی عقائد آئے ہوں گے، لیکن یہ ضرور ہے کہ ہیلینسٹک تہذیب کو تباہ نہ

---

[1] بنجمن فرینکلن: امریکی روشن خیالی کی ایک اہم شخصیت اور ریاستہائے متحدہ کے تاسیس کار بزرگوں میں سے ایک؛ کمیٹی آف فائیو کے رکن جس نے 1776 میں آزادی کے اعلامیہ کا مسودہ تیار کیا تھا۔ پنسلوینیا کے صدر، 1785-8۔

اس ترجمے کی اشاعت translationsproject.org پر کی گئی جہاں یہ مفت دستیاب ہے

کرنے کا موقع ضرور تھا۔

ہیرس: تب بھی آپ کو فکر مند کرنے کے لیے دلائی لاما ہوتے۔

ہچنز: یہ تعداد کی بات نہیں ہے، یہ بات ہے، اگر مجھے کہنے کی اجازت ہو، میمز (memes) اور انفیکشن (infections) کی۔1930 کی دہائی میں، میں یقیناً کہتا کہ کیتھولک چرچ سب سے مہلک تنظیم ہے، فاشزم سے اپنے حمایت کی بنا پر، جو واضح اور کھلی اور مذموم تھی۔ سب سے خطرناک تو چرچ تھا۔ اب یہ نہیں کہوں گا کہ پوپ مذہبی اتھارٹیوں میں سب سے خطرناک شخص ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اسلام سب سے زیادہ خطرناک مذہب ہے شاید اس لیے کہ اس میں کوئی پاپائیت نہیں ہے جو اسے کسی کام سے باز رکھ سکے، ایسا کوئی فرمان دے سکے...

ہیرس: ہاں۔ اس میں کوئی اوپر سے نیچے والا کنٹرول نہیں ہے۔

ہچنز: بالکل، صحیح۔ لیکن میں پھر بھی یہی کیوں گا کہ مسئلے کی اصل جڑ یہودیت ہی ہے۔

ہیرس: اگرچہ مسلمانوں کی اس سرزمین کے لیے ضد کی وجہ سے یہ مسئلے کی اصل جڑ ہے۔ اگر مسلمان فلسطین کی پروا نہ کرتے تو آبادکاروں کو کھلی چھوٹ مل جاتی کہ وہ اپنی مرضی سے مسیحا کی آمد کی تیاری کرتے۔ کوئی مسئلہ نہ ہوتا۔ یہ صرف اس اراضی پر دعوے کا تنازعہ ہے۔ دونوں فریق غلطی پر ہیں، لیکن دو لاکھ آبادکاروں کے ذریعے عالمی تنازعہ پیدا کرنے کی اصل وجہ یہ سو کروڑ لوگ ہیں جنھیں فکر ہے کہ یہ آبادکار مسجد الاقصی مسجد میں گھس جائیں گے اور...

ہچنز: اور ایسا کرنا ان کا خواب ہے۔ کیوں کہ ان کا عقیدہ ہے کہ دنیا کا ایک حصہ دوسرے سے زیادہ تقدس مآب ہے، کوئی عقیدہ اس سے زیادہ خبطی، غیر منطقی اور غیر مہذب نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ ان میں سے مٹھی بھر لوگ، جو اس نظریے اور اقتدار کے حامل ہیں اسے حقیقت میں بدلنے کے مقصد سے ایک تہذیبی تنازعہ کا خطرہ پیدا کر دینے کے لیے کافی ہیں، جس سے ہارنے والی بھی تہذیب ہوگی۔ میں سمجھتا ہوں اگر ہم اس تنازعے سے جوہری تبادلے کے بغیر کامیابی سے نکل آئیں تو بڑی خوش قسمتی کی بات ہوگی۔

ہیرس: اس سے ہم ایک بہت اچھے موضوع پر آتے ہیں۔ ہماری سب سے بڑی امیدیں اور خوف کیا ہیں؟ آپ کے خیال میں ہمارے بچوں کی زندگی میں کیا کام انجام پاسکتا ہے؟ آپ کو کیا لگتا ہے حقیقت میں داؤ پر کیا لگا ہوا ہے؟

ڈینیٹ: اور آپ اسے کیسے حاصل کریں گے؟

ہیرس: اور کیا ایسا کچھ ہے جو ہم محض تنقید کے علاوہ تشکیل دے سکیں؟ کیا کوئی عملی اقدامات ہیں؟ ایک ارب ڈالر سے، ہم خیالات

میں اہم تبدیلی پیدا کرنے کے لیے کیا کر سکتے ہیں؟

ہچنز: میں خود کو سیاسی طور پر شکست آمادہ اور علمی طور پر فاتح محسوس کرتا ہوں۔

ڈینیٹ: آپ کو کرنے کے لیے کچھ نظر نہیں آتا؟

ہچنز: موجودہ رجحان میں، مجھے نہیں لگتا کہ ہم پر بیجا کبر کا الزام لگایا جائے گا یا برا منایا جائے گا اگر میں ہمارے بارے میں یہ کہوں کہ ہم کھل کر سامنے آرہے ہیں اور اس بحث کو آگے بڑھا رہے اور بڑے پیمانے پر جیت رہے ہیں جسے بہت طویل عرصے سے نظر انداز کیا گیا تھا۔ یہ یقینی طور پر، اس وقت میں سمجھتا ہوں کہ امریکہ اور برطانیہ کے تناظر میں سچ ہے البتہ عالمی سطح پر ہم انتہائی معمولی اور سکڑتی ہوئی اقلیت ہیں جسے تھیوکریسی کی قوتیں شکست دینے والی ہیں۔

ہیرس: تو کیا آپ ہمیں داؤ پر لگا رہے ہیں؟

ہچنز: میں سمجھتا ہوں وہ تہذیب کو ختم کر کے رہیں گے۔ میں نے طویل عرصہ تک اس بات پر غور کیا ہے۔ لیکن جدوجہد کے بغیر نہیں۔

ڈینیٹ: یقیناً، آپ کی بات درست ہو سکتی ہے، کیوں کہ یہ واحد تباہی ہو گی۔

ہچنز: پروفیسر ڈاکنز کے ساتھ میرا سب سے بڑا اختلاف یہ ہے: میں سمجھتا ہوں کہ اس وقت صرف ہم اور 82 ایئر بورن[1] اور 101 طیارے ہی ہیں جو سیکولرازم کی خاطر حقیقی جنگجو ہیں جو واقعی اصل دشمن سے لڑ رہے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں شاید اسے سیکولر طبقات میں سب سے سنکی موقف سے تعبیر کیا جائے گا۔ ان افراد کے نزدیک یہ ایک دنت پری والا گمان ہو سکتا ہے۔ لیکن میں مانتا ہوں کہ یہ ایک مطلق حقیقت ہے۔ محض امریکہ کی، تھیوکریسی کا مقابلہ کرنے اور لڑنے کی آمادگی کی وجہ سے ہمارے پاس اسے شکست دینے کا ایک موقع ہے۔ ہمارے دلائل کوئی قیمت نہیں رکھتے۔

ہیرس: ہو سکتا ہے کہ آپ کو اور بھی لوگ مل جائیں، ضروری نہیں کہ وہ عراق کی سرزمین پر ہوں۔ میرا مطلب ہے، شاید ہمیں اس مقصد کے لیے 82 طیارے کی مدد سے مختلف جگہ پر مختلف جنگ لڑنی پڑے۔

ہچنز: خوب۔ کیوں نہیں۔ میرے اظہار خیال کے لیے اپنے تحفظات ہیں، جو میں آپ کو بخوشی دیتا ہوں۔ تاہم اصولی طور پر یہ ایک بہت اہم اعتراف ہے۔

---

[1] امریکی فوج کی فضائی ڈویژن، جو فضائی حملہ کے آپریشنز میں مہارت رکھتی ہے۔ یہ فی الحال عراق اور افغانستان میں سرگرم ہے۔

اس ترجمے کی اشاعت translationsproject.org پر کی گئی جہاں یہ مفت دستیاب ہے

ڈاکنز: بد قسمتی سے ہمارا وقت ختم ہو چکا ہے۔

ہچنز: اور ممکنہ طور پر ٹیپ بھی۔[قہقہہ]

ڈاکنز: میں سمجھتا ہوں کہ ہم نے شان دار گفتگو کی ہے۔

ڈینیٹ: جی ہاں، بہت اچھے۔

ڈاکنز: بہت بہت شکریہ۔

ڈینیٹ: ہمارے لیے سوچنے کے لیے بہت کچھ ہے۔

اظہار تشکر

سینٹر فار انکوائری کی شاخ، رچرڈ ڈاکنز فاؤنڈیشن فار ریزن اینڈ سائنس، رچرڈ ڈاکنز، ڈینیئل ڈینیٹ، اسٹیفن فرائی، سیم ہیرس، آنجہانی کرسٹوفر ہچنز اور ان کی بیوہ، کیرول بلیو کا اس کتاب کی تیاری میں فراخ دلانہ تعاون کے لیے شکریہ ادا کرتی ہے۔

اس کاوش کی اشاعت کے لیے اس میدان کے بہترین پیشہ ور افراد کی رہنمائی سے استفادہ کیا گیا ہے۔ جان بروک مین اور Brockman, Inc. میں ان کی زبردست ٹیم نے، جس میں میکس بروک مین، رسل وینبرگر اور مائیکل ہیلے شامل ہیں، اس منصوبے کے تصور سے لے کر اس کے ثمر آور ہونے تک تعاون کیا اور اسے عملی جامہ پہنانے کے لیے دنیا بھر کے پبلشروں کو شامل کیا۔ Penguin Random House US کی ہلیری ریڈمون اور Penguin Random House UK کی سوزانہ ویڈسن جیسی دو اعلیٰ ایڈیٹروں نے کتاب کی تیاری اور ڈیزائن پر بہت اثر ڈالا، اور ہم ان کے ساتھ کام کرنے پر مسرت کا اظہار کرتے ہیں۔

سارہ لپنکوٹ کی عقابی نظر اور ماہرانہ کاپی ایڈیٹنگ نیز مسودے کو حتمی شکل میں دینے میں ان کی ہنرمندی کے لیے خصوصی شکریہ جو ایک چیلنجنگ کام تھا۔ اس کے علاوہ گلین سومر اسکلیز کا بھی شکریہ کہ انھوں نے اضافی کاپی ایڈٹنگ انجام دی اور تبصرے کی وضاحت کی۔ CFI انٹرن اینڈی اینگو کے تعاون کے لیے بھی شکر گزار ہیں۔

ہم Four Horsemen کے غیر معمولی تعاون، نیز اسٹیفن فرائی کے استدلال اور سائنس کے اہم کاز کی خاطر تعاون کے لیے بھی مشکور ہیں جنھوں نے اس دنیا کو بہتر بنانے کی سمت میں کام کیا ہے۔

رابن ای بلمر

صدر اور سی ای او، سنٹر فار انکوائری

ایگزیکٹو ڈائریکٹر، رچرڈ ڈاکنز فاؤنڈیشن

فار ریزن اینڈ سائنس

اس ترجمے کی اشاعت translationsproject.org پر کی گئی جہاں یہ مفت دستیاب ہے